تیری راہ گزر کی مسافتیں

عفت سحر طاہر

عفت سحر طاہر

تیری راہ گزر کی مسافتیں

وہ نائٹ ڈیوٹی کر کے آیا تھا اس لیے بے سدھ ہو کر سو رہا تھا مگر وہ آوازیں اتنی بلند تھیں کہ زعیم چونک کر اٹھ بیٹھا۔

بستر سے اتر کر دروازہ کھولنے تک اس کے انداز میں بہت تیزی تھی مگر پھر اس کا ہاتھ دروازے کی ناب پر ہی ٹکا رہ گیا۔ ذرا سے کھلے دروازے میں سے آنے والی آوازوں کو اس نے شناخت کر لیا تھا۔

"مجھے تو بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میرے یوں دن رات محنت کرنے کا کیا فائدہ ہے صرف اپنے لیے تو نہیں کما رہا ہوں۔ اولاد کی خاطر جان مار رہا ہوں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اتنی آسائشوں میں پلنے والی اولاد مجھے ریٹرن میں بھی کچھ دیتی۔ اچھی تعلیم، بہترین اکیڈمک ریکارڈ مگر نہیں یہاں کیا ہے؟ صرف آوارگی، عیش و آرام یا پھر روز روز کی شکایتیں۔"

یہ چچا جان تھے۔ بظاہر بہت خاموش اور سنجیدہ دکھائی دینے والے چچا جان کا غضب اس وقت آسمان کو چھو رہا تھا۔

"سو واٹ سہیل.... انہیں کون سا ڈگریاں دلا کر اپنے بچوں سے ٹکے ٹکے کی نوکریاں کروانی ہیں۔ یہی تو دن ہیں ان کے کھیلنے کودنے کے، آپ غصہ مت ہوں میں خود بات کروں گی دانی سے۔"

چچی جان بڑی بے نیازی سے کہہ رہی تھیں۔ وہ مزید

مکمل ناول



گھر بننے تک ..... عفت سحر طاہر

وہ کالی سیاہ آنکھوں‘ سیاہ بالوں اور گلابی رنگت والی بچی تھی۔ ذرا بڑی ہوئی بولنا شروع کیا تو بہت باتونی‘ پڑھنا لکھنا شروع کیا تو ذہین مگر بہت حساس۔ قناعت پسند اس قدر کہ کبھی زندگی سے اپنا حق وصولنا اسے نہیں آیا۔ یہ رب کی ذات ہی ہے‘ جو اسے اس کی سوچ سے بڑھ کے نوازتی رہی۔ سوائے رب کے کسی سے ”مانگنا“ اس کی سرشت میں شامل ہی نہ تھا۔ عمر کے مدارج طے کرتی وہ پانچویں جماعت میں آئی‘ تب تک بنا غلطی کے پڑھنا لکھنا اچھی طرح سیکھ گئی تھی۔ سو اب بچوں کی دنیا‘ ٹارزن اور عمرو عیار سے لے کر بڑوں کے ڈائجسٹ تک پڑھنے لگی۔ مجبوراً“ اس کی ٹیچر سے شکایت کرنا پڑی۔ ان دنوں جاسوسی ڈائجسٹ اس کا فیورٹ ہوا کرتا تھا۔ ان ہی دنوں محلے میں ایک کرائے دار باجی ثمینہ (جو کبھی ثمینہ جہانگیر ہوا کرتی تھیں) آئیں تو ان کے حوالے سے خواتین‘ شعاع اور کرن سے متعارف ہوئی‘ تو پھر ان کا ساتھ نہیں چھوٹا۔ جب تک ڈائجسٹ ختم نہیں ہوتا تھا‘ تب تک کوئی اور کام بھی پائیہ تکمیل تک نہیں پہنچتا تھا۔

گھر کا ماحول سخت ”بے ادب“ تھا اور مگر اس ”غیر ادبی“ ماحول میں بھی وہ نازک اور شاعرانہ احساسات لیے پروان چڑھی۔ عمر کے سولہویں میں آئی تو بہت محبت کرنے والی‘ احساس کرنے والی اور کمپرومائزنگ لڑکی تھی۔ لکھنے کا بہت شوق تھا‘ سو شروع شاعری سے کیا مگر شاید دوسرے شاعروں کی روزی بند ہو جانے کا خیال کرکے اس خیال کو رد کر دیا گیا۔ (اور کچھ یہ بھی تھا کہ کتاب شائع کرانے کو پیسے نہ تھے) بہر حال بہت سے شاعر اس کے مشکور ہوئے اور ”دنیائے سخن“ ایک عظیم شاعرہ سے محروم رہ گئی۔ (آہم) ہاں تو اسے لکھنے کا بہت شوق تھا‘ اس لیے اس کا نہ صرف ہوم ورک ہمیشہ مکمل ہوتا تھا بلکہ کتابوں کے تمام صفحات بھی مختلف کوٹیشنز‘ اشعار اور نظموں سے۔

بھڑک اٹھے۔

”کیا بات کروگی تم اس سے..... ؟ انا کنل انگریز بن رہیں اس کے اور وہ پہلے پیپر والے روز ہی اپنے جیسے نالائقوں کے ساتھ آوارہ گردی کے لیے چلا گیا ہے۔ اب بتاؤ ہے کوئی جواب اس کی اس حرکت کا تمہارے پاس..... ؟“

”کم آن سہیل! کیوں خوامخواہ اپنا بی پی ہائی کر رہے ہیں۔ بچہ ہے اور پھر اس عمر میں تو یوں بھی ایسے ایڈونچرز اچھے لگتے ہیں۔“

چچی جان ناخن فائل کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔

”ہاں..... بہت اچھے ایڈونچرز ہیں.....“ چچا جان نے طنز سے بھرپور لہجے میں کہا۔ ”کل کو جب ان ایڈونچرز کے پیچھے اس کا فیوچر تباہ ہو تب پھر بیٹھ کر یاد کرنا ان ایڈونچرز کو۔ تم بھی اور وہ تمہارا لاڈلا بھی ابھی شکر ہے کہ اسے اسٹیٹس نہیں بھجوا دیا تمہارے کہنے میں آکر۔ وہاں پتہ نہیں کیا گل کھلاتا۔“

”اب بس بھی کریں سہیل! اس ملک کے ٹاپ کے انویسٹمنٹ ہیں آپ اور یہ سب بزنس پراپرٹی اور پیسہ ہمارے بچوں ہی کا تو ہے۔ ایسی چھوٹی موٹی باتیں ہمارے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اور اگر نمبرز میں پرابلم کا آیا ہے وہ تو ہم یوں بھی لگوا سکتے ہیں بلکہ ہمارا بیٹا بورڈ میں ٹاپ کر سکتا ہے۔“

چچی جان کے لب و لہجے میں امارت کا غرور بول رہا تھا۔ زعیم نے دل ہی دل میں اقرار کیا واقعی جتنا پیسہ اور اثر و رسوخ ان لوگوں کے پاس تھا اس کے بل بوتے پر تو وہ کچھ بھی کر سکتی تھیں۔

”کیا فائدہ..... کیا فائدہ اس جھوٹی شان اور جھوٹی کامیابی کا اور اس میں دانش کا بھی کوئی قصور نہیں عالیہ بیگم! یہ سب تمہاری تربیت ہے۔ مگر نہیں۔ تمہیں اپنی پارٹیز اور نام نہاد ویمن ایسوسی ایشن کی صدارت سے اور بے کار کی میٹنگز سے فرصت ملے تو تم اولاد پر توجہ دو۔ یہ سب تمہاری

بھرے ہوتے تھے۔ ایف اے میں مختلف میگزین کا مطالعہ شروع کیا تو ساتھ ہی تبصرہ نگاری بھی شروع کردی۔ یہ اس کا منزل کی طرف پہلا قدم تھا۔ پھر افسانے بھی لکھنے شروع کردیے مگر رد کیے جانے کا خوف چار سال اسے روکے رہا۔ پھر بی اے کے رزلٹ کی بھی فکر تھی۔ ایف اے میں اسکالرشپ ملی مگر بی اے تک سارا رجحان لکھنے کی طرف ہوچکا تھا۔ سو صرف اچھے نمبروں سے پاس ہی ہوئی اور جس روز رزلٹ آیا اس سے اگلے روز افسانہ پوسٹ کردیا۔

پھر اس نے لکھا اور بے تحاشا لکھا۔ طویل "آٹھ سال۔ ناول ناولٹ افسانے اور دو سلسلے وار ناول۔ ایک ناول کتابی صورت میں بھی آیا۔ (سبز رتوں کی جھیل میں)

تب ہی اسے زندگی کا ایک بے حد خوبصورت تحفہ ملا۔ شریک سفر کے روپ میں جو پہلے اس کا دوست پھر محبوب اور پھر ایک محبت کرنے والا شوہر تھا تو زندگی کی ہر کمی ہر تشنگی دور ہونے لگی۔ محبت خواب سفر نہیں رہی تھی۔ تتلی کی مانند اس کی مٹھی میں قید تھی۔ "شعاع" میں لکھا لیکن سلسلہ یوں منقطع ہوا کہ وہ ایک زندگی تخلیق کرنے کے مرحلے سے گزر رہی تھی تو قدرت نے ایک انعام کی صورت اس کی جھولی میں ڈال دی۔

ریان طاہر۔ بہت پیارا معصوم اور شرارتی۔

کئی ماہ وہ دنیا کو بھولے اسی میں مگن رہی تو ہر کسی سے رابطہ ٹوٹ گیا۔

مگر یہ ادارہ خواتین ہی تھا جس کے ڈائجسٹ ہر ماہ اسے ایک اٹوٹ بندھن کا احساس دلاتے رہے۔

کوئی جائے تو کہاں جائے سو وہ لڑکی بھی اپنی مصروفیات میں سے ٹائم نکالنے لگی ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہے

کل تک اسے کوئی بھی نہیں پہچانتا تھا مگر آج..... آج آپ اسے عفت سحر طاہر کے نام سے جانتے ہیں۔

بگڑ اور بے جا لاڈ پیار ہی کا نتیجہ ہے جو وہ یوں خود رو پودے کی طرح بڑھ رہا ہے۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کا کیا بنے گا....."

اب کی بار چچا جان نے انہیں بھی رگید ڈالا۔ جس پر وہ یقیناً "تلملا گئی تھیں" تب ہی تو ان سے بھی بلند آواز میں بول اٹھیں۔

"بس سہیل... بہت برداشت کرلیا میں نے۔ چاہے تم نے جتنا بھی کیوں نہ کمالیا ہو مگر اندر سے تم وہی مڈل کلاس ذہنیت ہو جس سے میں نے کبھی جوش میں آکر شادی کرنے کی غلطی کرلی تھی۔ وہی ذہنیت ہے تمہاری بھی ذرا ذرا سی بات پر عورت کو بری تربیت اور لاڈ پیار کے طعنے دینے والی۔ میں تو کیوں تمہارا بھی کچھ فرض بنتا ہے۔ صرف روپیہ کمانا ہی تو تمہارا کام نہیں ہے۔ کبھی بیٹھ کر دو گھڑی بچوں سے بات کی ہے تم نے اور الزام دیے رہے ہو مجھے۔ مگر میں نے نا صرف کامیابی سے گھر سنبھالا بلکہ ایک مضبوط سوشل سرکل بنایا۔"

وہ غصے میں ادب و آداب بھول کر مقابلے پر اتر آئی تھیں۔

"بہت خوب تو میں ان بچوں کی تربیت کے لیے گھر بیٹھا جاتا ہوں اور تم ذرا اپنے اس "مضبوط سوشل سرکل" سے ان آسائشوں اور عیاشیوں کو برقرار رکھ کے دکھاؤ۔ آج اگر ہم اپنی موجودہ حیثیت سے ذرا سا بھی نیچے آجائیں تو میں دیکھتا ہوں کہ جس ویمن ایسوسی ایشن کی تمہیں صدارت سونپی گئی ہے وہ تمہیں ایک معمولی ورکر کی بھی حیثیت دیتے ہیں یا نہیں۔ یہ سب میری محنت سے کمائی ہوئی دولت اور عزت کا کرشمہ ہے۔"

"مائنڈ یو سہیل عباسی! دولت کے یہ محل تم نے یونہی کھڑے نہیں کرلیے۔ اس کی بنیاد بہرحال میرے ڈیڈی نے تمہیں فراہم کی تھی۔ وہ اگر میری ضد سے مجبور ہو کر

اس وقت تمہارا ہاتھ نہیں تھامتے تو تمہارا شمار بھی اس وقت بہت سے خاک نشینوں میں ہوتا۔"

چچی جان کے لب و لہجے سے جدی پشتی کروڑپتی ہونے کا غرور اور بے پناہ تنفر جھلک رہا تھا۔

زعیم نے دروازہ بند کر دیا اور پلٹ کر بستر پر آ بیٹھا۔

اسے اس شاندار محل جیسی کوٹھی میں آئے ایک ہفتہ ہونے کو تھا اور اب تک وہ روٹین میں جو کچھ دیکھتا آیا تھا آج کے منظر نے ان سب کی نفی کر دی تھی۔

وہ چچا اور چچی جان جو سب کے سامنے انتہائی محبت کرنے والے میاں بیوی کی حیثیت سے نظر آتے تھے۔ اس وقت یوں جانوروں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کی عزت اتارنے سے بھی گریز نہیں کر رہے تھے۔

اسے اپنے یہاں رہنے کے فیصلے پر افسوس ہونے لگا۔ مگر اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔

اس کے شاندار اکیڈمک ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے اسے اس شہر کے بہترین ہاسپٹل میں جاب کی آفر آئی تھی۔ وہ دوسرے شہر جا رہا تھا۔ تب اماں نے اس کا سامان پیک کرتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"میں نے تمہارے چچا کو فون کر دیا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جب تک تمہاری رہائش کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا تم ان ہی کے پاس ٹھہرو گے۔ بلکہ وہ تو مجھے بھی وہیں آنے کا کہہ رہے تھے۔"

وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر احتجاجاً بولا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ.....؟ ان سے کیوں کہا آپ نے۔ دو تین ماہ کی بات تھی۔ مجھے ہاسپٹل کی طرف سے ریذیڈنس بھی مل جاتی۔ تب تک میں کرائے پر رہ سکتا تھا یا پھر کسی ہوٹل میں۔"

"اچھا چپ رہو۔ خوامخواہ ہی ہوٹل میں رہتے۔ جب سگے چچا کا گھر ہے تو پھر یوں دربدر پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

اماں کا اپنا ہی انداز تھا۔ اب چاہے دیور نے ساری عمر پلٹ کر ان کی خبر بھی نہ لی ہو مگر ان کے ہاتھ جب بھی موقع لگتا کسی کی خبر گیری کا یا پھر مل بیٹھنے کا تو وہ گنواتی نہیں تھیں۔

"اماں! اتنے سالوں تک تو کبھی انہوں نے پلٹ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ بھائی اور بچے زندہ بھی ہیں کہ نہیں اور آج جب خدا نے ہم پر اپنا کرم کر دیا ہے تو آپ خوامخواہ خود کو ان کا احسان مند بنانے پر تلی ہوئی ہیں۔" زعیم کو برا لگا۔

"بیٹا! اتنی مصروف زندگی میں کب کسی اور طرف توجہ دینے کی ضرورت ملتی ہے اور پھر وہ اکیلی جان کمانے والے، اولاد کی پرورش۔ بہت سے جھمیلے ہوتے ہیں۔ خوامخواہ کی کدورتیں اور رواجے نہیں رکھتے کسی بات کی۔ صاف دل لے کر جاؤ اور ہنسی خوشی سب سے ملنا۔ کہنا کہ میں بھی آؤں گی کبھی۔"

وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بولیں۔

"شہریار بھائی! جو سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں میں گم ہو کر ملتان کی گرمی کو بھلا دیا تو....."

مریم بھیگی بھیگی پلکیں لیے اس کے شانے سے لگ گئی تو خود اس کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔ کراچی کچھ اتنا نزدیک بھی تو نہیں تھا اور اس پر مستزاد محبتوں کی جس لڑی میں وہ لوگ پروئے ہوئے تھے وہ تو صرف اور صرف قرب کی متقاضی تھی۔ دوریوں اور فاصلوں کی نہیں۔

"اماں اور مریم کا خیال رکھنا اور اس بار بھی تمہیں اسکالر شپ لینا ہے۔" مریم سے چھوٹے معظم کو گلے لگاتے ہوئے اس نے تاکید کرتے ہوئے کہا۔ وہ پری انجینئرنگ کے پہلے سال میں تھا۔

"تم بس اپنا دھیان رکھنا۔ ہماری فکر مت کرو۔ خدا کی ذات ہمارے ساتھ ہے اور پھر اتنی اچھی محلے داری تو رشتہ داری کو بھی مات کرتی ہے جتنی کہ ہماری ہے۔"

اماں نے اسے بے فکر کرنا چاہا تھا۔ پھر اس کی کشادہ پیشانی چومتے ہوئے مزید تاکید کی تھی۔

"خط ضرور لکھنا مجھے۔" وہ انہیں بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے ہنس دیا۔

"اماں آپ کو فون کروں گا نا۔"

"بے شک فون بھی کرنا۔ خط کی بات اور ہے بیٹا! جب یاد آئے نکال کے پڑھ لیا اور یہ پرچہ سنبھال کے رکھنا تمہارے چچا کے گھر کا ایڈریس ہے۔ خدانخواستہ کوئی ایئرپورٹ پہ نہ آیا تو سیدھے گھر چلے جانا۔"

وہ کہہ رہی تھیں۔ مگر زعیم نے پکا ارادہ کر لیا کہ اگر اسے کوئی ریسیو کرنے نہ آیا تو وہ سیدھا اسپتال چلا جائے گا۔ جہاں سے فی الحال اسے دوسرے ڈاکٹر کے ساتھ روم

شیئر کرنے کی آفر کی۔
مگر کیا کیا جاتا کہ اس سے پہلے ہی اماں اپنا کام دکھا گئی تھیں۔

اور وہ جو یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ اتنے سالوں تک بھولے رہنے والے چچا اب اسے کہاں یاد رکھیں گے۔ مگر ائرپورٹ پر ڈرائیور کو زعیم ادریس کے نام کا بورڈ اٹھائے دیکھ کر وہ پست پڑ گیا۔

اور مجبوراً" اسے اس شاندار سے محل نما کوٹھی میں آنا ہی پڑا۔ اس پورے ہفتے میں اس کی چچا جان اور چچی جان سے فقط ایک ہی ملاقات ہوئی تھی، جس میں انہوں نے اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ ان کی بیٹی رویما سے سرسری ہائے ہیلو ہوئی جو اسے کافی مغرور اور توم بیزار لگی تھی۔ چچا جان کی اولاد نرینہ دانش سہیل سے اس کی ملاقات تاحال نہ ہو پائی تھی اور جس کی وجہ اسے دونوں میاں بیوی کے جھگڑے کے درمیان اسے پتہ چل گئی تھی۔

وہ بستر کے بیچوں بیچ چت لیٹا چھت پر نظریں جمائے یہاں سے چلے جانے کے متعلق سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ اس کی رہائش کا مسئلہ تقریباً" حل تھا۔ لیکن اگر یہاں ایسا ہی ماحول رہتا تھا تو اس کا ٹھہرنا ناممکن تھا۔ وہ بہرحال تماشائی بننا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر نیند نہیں آئی تو وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ ایک لمبے غسل نے اسے بے حد فریش کر دیا جس کا اثر موڈ پر بھی پڑا آئینے کے سامنے گنگناتے ہوئے بال برش کرتا وہ کمرے سے نکل آیا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ لابی سے گزر کر وہ ٹی وی لاؤنج میں پہنچا تو وہاں چلا ہوا ٹی وی پر میوزیکل پروگرام چل رہا تھا مگر وہاں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔
اب جیسے اپنے گھر میں اسے عادت پڑی ہوئی تھی۔ ریموٹ اٹھا کر بے اختیار ہی اس نے فلیٹ اسکرین ٹی وی آف کر دیا اور آگے بڑھتا ہوا ڈائننگ روم میں چلا آیا۔ اسے دیکھتے ہی ملازمہ نے جا کر کک سے ناشتہ بنانے کا کہہ دیا۔

کرسی گھسیٹتے ہوئے وہ ٹھٹک سا گیا۔ سامنے ڈائننگ چیئر پر "ڈان" کے صفحات میں منہ گھسائے وہ یقیناً" رویما سہیل عباسی ہی تھی۔ اس کی موجودگی سے باخبر ہونے کے باوجود جس نے منہ پر سے اخبار ہٹانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ایک پل کو تو جیسے زعیم نے اسے بھی بدتمیزی تصور کیا مگر فوراً" ہی اپنے تربیتی اثر کے تحت بولا۔
"السلام و علیکم......"
زعیم نے بیٹھتے ہوئے اس مغرور سراپے پر سلامتی بھیجی جس کا فوری کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے برعکس اس نے پہلے اخبار نیچے کر کے گویا زعیم کو ایک نگاہ بخشی تھی۔ پھر اپنے کانونٹ زدہ لاپروا انداز میں بولی۔
"ہیلو......"
سلام کے اس قدر غیر شرعی جواب نے زعیم کی طبیعت کو سخت مکدر کر دیا۔
"اف یو ڈونٹ مائنڈ۔ سلام کا جواب سلام ہی کی صورت میں دیا جاتا ہے۔"
وہ خود کو روک نہیں پایا تو سنجیدگی سے کہہ دیا۔ وہ دوبارہ اخبار میں غوطہ لگاتی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بات تو وش کرنے کی ہے نا!؟"
"یہ صرف وش کرنا نہیں ہے۔ مسلمان کا ایک دوسرے کو سلام کرنا سنت نبوی صلی اللہ علیہ و سلم ہے۔"
اسے ناگوار گزرا تھا۔ سو جتانے والے انداز میں بولا۔
"ماڈرن ملا......"
لحظہ بھر اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ شانے جھٹک کر آہستہ آواز میں کہتی اٹھ گئی۔ مگر زعیم نے اس کے یہ دو لفظ بہت اچھی طرح سنے تھے۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ چچا جان کی اولاد اپنے ملک میں رہتے ہوئے بھی بدیسی تھی۔ ملازمہ نے اس کے سامنے ناشتا لا کر رکھا تو وہ بے دلی سے اس طرف متوجہ ہوا۔

☼ ☼ ☼

رات کو اس کی ڈیوٹی نہیں تھی مگر پھر بھی سر شام وہ اسپتال چلا آیا۔ ڈاکٹر اسعد اسے دیکھ کر ہنس دیا۔
"تمہیں اسپتال کے علاوہ اور کہیں نیند نہیں آتی۔"
"یونہی بور ہو رہا تھا۔ اس لیے ادھر چلا آیا۔"

وہ اس کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔
"شاباش۔ یہ ہوئی نا فرض شناسی۔ بوریت دور کرنے کے لیے بھی ایک ڈاکٹر کو اسپتال کے علاوہ اور کوئی جگہ

نہیں سوجھتی۔"

ڈاکٹر عمر نے طنز کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس وقت اسپتال میں کوئی بھی پری وش ایڈمٹ نہیں۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ آف ہوتے ہوئے بھی تم اسپتال میں کیا کر رہے ہو۔"

اسعد اور عمر خوش مزاجی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ زعیم کا قدرے سنجیدہ مگر دوستانہ مزاج دونوں میں ایک اچھی دوستی کا باعث بنا تھا۔

اسعد کی بات پر اسے ہنسی آ گئی۔

"انتا بدذوق بھی نہیں ہوں کہ کسی ایڈمٹ شدہ پری وش پر فریفتہ ہو جاؤں۔" وہ منہ کر ہنسنے لگا۔

اسی وقت ڈاکٹر سلویٰ ملک ڈاکٹرز روم میں داخل ہوئی تھی۔

"السلام و علیکم ایوری باڈی....."

"وعلیکم السلام....." اسعد اور عمر کی تو اس سے اچھی خاصی دوستی تھی مگر زعیم سنجیدہ سا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ڈاکٹر عمر آپ کو سر بخاری نے اپنے کیبن میں یاد فرمایا ہے۔"

اس نے بیٹھتے ہوئے عمر کو پیغام دیا تو وہ تقریباً" اچھل ہی پڑا۔

"او گاڈ..... بہت ضروری میٹنگ تھی میری ان کے ساتھ۔"

"تب ہی بہت غصے میں لگ رہے تھے وہ۔"

ڈاکٹر سلویٰ ملک نے سنجیدگی سے کہا تو وہ نروس سا دروازے کے قریب جا کر رک گیا۔

"کچھ کہہ تو نہیں رہے تھے..... یعنی میرے متعلق؟"

"اتنی زور زور سے کہہ رہے تھے کہ ابھی باہر جا کر جس سے بھی پوچھو گے وہ تمہیں بتا دے گا کہ سر بخاری کیا کہہ رہے تھے۔"

وہ اطمینان سے بولی تو وہ گہری سانس بھرتا باہر نکل گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی وہ ہنسنے لگی۔

"میں بھی کہوں کہ یہ تو سر بخاری کا چمچہ بنا پھرتا ہے۔ عاشق نمبرون کہہ لو۔ اس کی شان میں وہ کیسے گستاخی کر سکتے ہیں۔"

اسعد اس کی ہنسی سے سمجھ گیا کہ وہ مذاق کر رہی تھی۔

"وہ بھی شکل دیکھی تھی اس کی سب ہی سر بخاری سے ڈرتے ہیں سوائے اس کے اور آج اس کا بھی پول کھل گیا ہے۔"

وہ کہہ رہی تھی۔

زعیم کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔

واقعی وہ سب ہی سر حسن داؤد بخاری کے غصے سے بہت محتاط رہتے تھے۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ عمر اپنی چرب زبانی اور تقریباً" ہی حضوری کرنے کی وجہ سے ان کا "لاڈلا" بنا ہوا تھا۔

رات گئے گھر واپسی پر وہ موٹر سائیکل خریدنے کی بابت سوچ رہا تھا۔ اس شہر میں اپنی سواری کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر ہی رک گیا۔ شاندار سی بلیک کلرڈ اوپن ائیر اسپورٹس کار سے اترنے والی وہ رویا ہی تھی۔ اس کے علاوہ دو لڑکیاں اور دو لڑکے اور بھی کار میں موجود تھے۔ فل آواز میں بجتا میوزک اس پر ان کا شور و غل۔

"اوکے گائز..... بائے۔"

وہ چہکتی ہوئی ہاتھ لہرا کر بولی جس کا ان سب نے کورس میں جواب دیا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے نے ایکسیلیٹر دبایا تو گاڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

تب اس کی نظر زعیم پر پڑی تو اس کے مسکراتے لب سکڑ گئے۔

"ہائے..... الله زعیم کو اس کا صبح والا انداز یاد آنے لگا۔ اس نے فقط سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ مگر وہ جانے کیا سوچ کر بولی۔

"تم اس وقت ہاسپٹل سے آ رہے ہو؟"

زعیم کو اس کے سوال نے نہیں بلکہ انداز تخاطب نے جھٹکا لگایا۔

سامنے کھڑی لڑکی جو بمشکل انیس یا بیس برس کی تھی اسے "تم" کہہ کر مخاطب کر رہی تھی جو کم از کم بھی اس سے آٹھ نو برس تو ضرور ہی بڑا تھا۔ مگر صبح والے "خطاب" کے بعد وہ اب اس کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا سو کوئی جواب دیے بغیر واچ مین کے گیٹ کھولتے ہی اندر داخل ہو گیا۔ بھاگتی ہوئی سیمنٹ اور بجری کی سرخی روش پر اس کے

جاتے رُکی۔ مگر وہ نہیں رُکا تھا۔ اس کے سامنے الٹے قدموں چلتی وہ حیران ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو.....؟"

وہ پوچھ رہی تھی۔ زعیم نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"میری تم سے دوستی ہی کب تھی؟"

"ویری اسٹرینج۔ جب دوستی ہی نہیں تھی تو پھر یہ غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟"

اب وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک گئی تھی۔ اس کی بے تکلفی نے زعیم کو حیران کر دیا۔

"میں کوئی غصہ نہیں دکھا رہا۔" وہ اپنی حیرت کو دباتے ہوئے عام سے انداز میں بولا۔ پھر اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا دیا۔

"تو پھر تم نے میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا؟"

"کیونکہ مجھے تمہارا انداز پسند نہیں آیا۔"

زعیم نے اس بار لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا تو اس کی بھوری آنکھوں میں حیرانی سمٹ آئی۔

"وات..... میں نے کیا کیا ہے؟"

"میں تم سے کئی سال بڑا ہوں اس کے باوجود نا صرف تم نے صبح مجھ پر کمنٹ پاس کیا تھا' بلکہ اب بھی مسلسل "تم" کہہ کر بات کر رہی ہو۔" زعیم نے کہا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

پھر اسے بدستور سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے دیکھ کر وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"ایم سوری اگر تمہیں برا لگا تو۔ سوری آپ کو اور اس کمنٹ کے لیے بھی سوری۔"

"اٹس اوکے....."

وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ سنجیدہ ہے یا اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ اس کی سائیڈ پر سے آگے نکل گیا۔ اپنے کمرے تک پہنچنے تک اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا کہ وہ آ رہی تھی یا نہیں۔

اب چاہے رومانے اس سے معذرت ہی کیوں نہ کر لی ہو اس کا زعیم پر امپریشن اچھا نہیں پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام و علیکم....." وہ اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر ڈاکٹرز روم میں بیٹھا چائے پی کر تھکن دور کر رہا تھا جب سلویٰ ملک چلی آئی۔

"وعلیکم السلام....." زعیم نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ پھر مروتاً بولا۔

"چائے پئیں گی ڈاکٹر.....؟"

سلویٰ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ چائے کے لیے میں ابھی کہہ کر ہی آ رہی ہوں۔ بائی دا وے آپ مجھے ڈاکٹر کیوں کہتے ہیں؟"

زعیم اس کے عجیب سے سوال پر گڑبڑا گیا۔

"ڈاکٹر کو ڈاکٹر ہی کہا جاتا ہے۔"

"بہت خوب۔ لیکن ڈاکٹر کا ایک عدد نام بھی ہوتا ہے ڈاکٹر زعیم.....!" اس نے مسکراتے ہوئے لطیف سا طنز کیا تو وہ اب کی بار اس کا مطلب سمجھ کر خفیف سا ہو گیا۔ مگر جواباً بولا کچھ نہیں تو وہ کہنے لگی۔

"مائنڈ تو نہیں کیا آپ نے؟"

"نہیں اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے ڈاکٹر سلویٰ۔" اب کی بار وہ درسان سے بولا تو سلویٰ ہنس دی۔

"تھینکس۔ اصل میں بے تکلفی دوستی کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔" وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔

بڑے شہر کی ایک ماڈرن سی لڑکی جو کہ نہایت پُر اعتماد ڈاکٹر بھی تھی اس کا بولڈ ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ جب تک ڈاکٹر سلویٰ کی چائے آتی وہ خالی کپ ٹیبل پر رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے آپ کہاں چل دیے۔"

وہ بے اختیار بولی تھی۔ زعیم نے اسٹیتھسکوپ اٹھاتے ہوئے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی اور سنجیدگی سے بولا۔

"وارڈ کا ایک راؤنڈ لگانا ہے اور پھر روم نمبر فور کے پیشنٹ کو بھی دیکھنا ہے۔ ایکسکیوز می۔"

وہ چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر سلویٰ کچھ سوچنے کی کوشش میں مشغول ہو گئی۔

واپسی پر اسعد نے اسے گھر ڈراپ کرنے کی پیشکش کی تھی۔ جو اس نے قبول کر لی۔

"یار زعیم! ایک بات تو بتاؤ۔"

گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی اسعد کی زبان بھی اسٹارٹ ہو گئی تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا.....؟"

"یار! جب آدمی کو کسی سے محبت ہو جائے تو کیا ہوتا ہے؟"

وہ پہلے حیران ہوا پھر سادگی سے بولا۔

محبت ہو جاتی ہے اور کیا ہوتا ہے۔"

"نہیں یار! میرا مطلب ہے کہ محبت ہو جانے کی فیلنگز کیا ہوتی ہیں۔ جس سے آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ ہاں یہ محبت ہے۔"

وہ پوچھ رہا تھا۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد زعیم نے شانے اچکا دیے۔

"فیلنگز کیا ہوتی ہیں۔ محبت یا تو ہوتی ہے یا نہیں ہوتی اور جب یہ ہو تو میرے خیال میں اس کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث نہیں کرنا پڑتی۔"

"اوئے فلسفی....." اسعد نے اسے گھورتے ہوئے ٹوکا۔ مگر وہ بدستور سنجیدگی سے بولا۔

"اور اگر یہ نہ ہو پھر تو اس کا خیال بھی ذہن سے نہیں گزرتا۔"

"اف.....!" اسعد نے گہرا سانس کھینچ کر اسے دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

"میں نے صرف تم سے یہ پوچھا تھا کہ یہ کیسے چلے کہ محبت ہے یا نہیں؟"

"پہلے تم اس محبت کی وضاحت کرو۔ کس قسم کی محبت کی بات کر رہے ہو؟"

زعیم کو مجبوراً "لیکچر" دینے کی تیاری پکڑنا پڑی۔ وہ مسکراتے ہوئے بڑے جذب سے بولا۔

"وہی جو مجنوں کو لیلیٰ سے فرہاد کو شیریں سے اور رومیو کو جولیٹ سے ہوئی تھی۔"

اس کے جواب پر زعیم ٹھٹکا پھر ڈاکٹر سلویٰ ملک کی طرف اٹھتی اس کی نگاہوں کی چمک یاد کر کے وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"تو گویا محبت کے نئے باب لکھنے جا رہے ہو۔"

"توبہ کرو۔ میں کوئی لمبا چکر پالنے کے حق میں نہیں ہوں۔ سیدھے سبھاؤ شادی کروں گا اور بس۔"

وہ بے ساختہ کہہ گیا۔

"ویری ویری نائس۔ یہ سب سے باعزت طریقہ ہے کسی کو اپنی زندگی میں لانے کا۔ بجائے اس کے کہ آپ پہلے ایک دوسرے کو ٹھونک بجا کر دیکھتے رہیں۔"

زعیم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے تائیدی انداز میں کہا تو وہ بے چارگی سے بولا۔

"اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ اس محبت کے ہو جانے کی نشانی کیا ہے میرا مطلب ہے کہ کوئی سگنل تو ہوتی ہو گی نا!"

زعیم کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں کس سے محبت ہو گئی ہے؟"

"خیر نام تو ابھی نہیں بتاؤں گا اور یہ تو طے ہونا ہے کہ محبت ہے یا نہیں۔"

وہ اسٹیئرنگ وہیل تھامے مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ زعیم کو بہت اچھی لگی۔

"کم آن....." زعیم نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"یہ اسٹوری میں تمہیں لطف لینے کے لیے نہیں سنا رہا۔ مجھے کوئی مشورہ دو۔"

"لمبے چکر میں تو تم ویسے بھی پڑنا نہیں چاہتے۔ سو اٹس ویری سمپل جا کے ڈاکٹر سلویٰ ملک کو اپنی فیلنگز بتا دو۔"

اس نے اب کی بار بڑی سادگی سے مشورہ دیا تو وہ جیسے کرنٹ کھا کر اسے دیکھنے لگا۔ بے اختیاری اس نے گاڑی کی رفتار کم کر دی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا.....؟"

"کیا.....؟" زعیم نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ قدرے جھجک کر بولا۔

"یہی کہ..... وہ سلویٰ ملک ہے۔"

"کیا..... ڈاکٹر سلویٰ ملک.....؟"

زعیم کے چہرے پر حیرت آمیز تاثرات ابھرے تھے۔ پھر وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

"میں تو تمہیں یہ علامات اس لیے ڈاکٹر سلویٰ ملک کو بتانے کے لیے کہہ رہا تھا کیونکہ وہ بھی ایک خاتون ہیں اور وہ تمہیں بالکل صحیح راستہ بتا دیں گی۔ تمہاری تو ویسے بھی فرینڈشپ ہے ان سے..... مجھے کیا پتہ تھا کہ تم ان ہی سے....."

وہ رک گیا تھا۔ اب کی بار اسعد نے بالکل ہی گاڑی روک دی۔

"بہت بے وقوف ہوں میں۔"

"وہ تو ہے۔" زعیم نے سادگی سے کہا تو وہ ہنس دیا۔

"ویسے بڑا زبردست تکا مارا ہے تم نے۔"

"یہ تکا نہیں تھا۔ میں نے نشانے کو لے جا کر تیر مارا ہے۔"

زعیم نے اطمینان سے کہا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"تم پہلے سے جانتے تھے مگر کیسے؟"

"پتہ نہیں....." وہ کترا سا گیا۔ مگر اسعد یونہی جان چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔ بے صبری سے بولا۔

"زعیم! تمہیں کسی سے محبت نہیں ہوئی کیا؟"

کھانے کے دوران اسعد کو اچانک خیال آیا تو اس کا ہاتھ رک گیا۔ پھر نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ اشتیاق کے مارے ٹیبل پر جھک آیا۔

"کیسی ہے وہ.....؟"

"بہت خوب صورت۔" اس نے مختصراً کہتے ہوئے پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

"وجیہہ ہو تم۔" اسعد نے فہمائشی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ گلاس رکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"مگر میری محبت کے ساتھ ایک ٹریجڈی بھی ہے۔"

"وہ کیا.....؟" اسعد نے بے ساختہ پوچھا تو وہ گہری سانس لے کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس کی شادی ہو چکی ہے۔"

"ویری سیڈ....." اسعد کا جوش پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ زعیم خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا۔ مگر وہ یونہی ہاتھ روکے شاید اس کی محبت کے سوگ میں تھا۔ قدرے توقف کے بعد مدھم لہجے میں بولا۔

"کس سے شادی ہوئی اس کی.....؟"

"میرے ابا سے۔ وہ میری سگی اماں ہیں۔" وہ نوالہ چباتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولا تو اسعد کو پہلے تو ایک زوردار شاک لگا پھر وہ جھینپ کر بولا۔

"یو ڈیول۔" اس نے کانٹا اٹھا کر زعیم پر تانا تو وہ بے اختیار ہنسنے لگا۔

"بہت بکواسی ہو تم۔" وہ ناراض ہو گیا۔

"سو فیصد سچ کہہ رہا ہوں یار!"

"میں اس ممتا کی ماری محبت کی بات نہیں کر رہا۔ دوسری والی میرے جیسی۔" اس نے دانت پیسے تھے۔

"اچھا یوں کہو نا غیر شرعی۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"محبت میں شریعت کہاں سے آگئی۔ بلکہ اسلام تو خود دین محبت ہے۔ بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔" اسعد جھلا کر بولا۔

"کس قدر رو بہ غلے ہو تم اسعد! ابھی شریعت اور محبت کو الگ کر رہے تھے اور ساتھ ہی اسلام کو محبت کا دین قرار دے دیا۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ زعیم نے گویا اسے ملامت کی۔

"وہی نا..... میرا مطلب ہے کہ..... بس اب اٹھ جاؤ تم بھی۔ کافی سے زیادہ معدہ بھر گیا ہے تب ہی اتنا اتنا سید ھا بول رہے ہو۔"

وضاحتی انداز میں کہتے کہتے زعیم کی مسکراہٹ پر نگاہ پڑی تو زچ ہو کر رہ گیا۔



لابی میں داخل ہوتے ہی اندر کا شور ہنگامہ اس کے کانوں میں پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ رومیا کی آواز اس نے صاف طور پر پہچانی تھی۔

"مت کریں آپ میری اتنی فکر۔ مجھے عادت نہیں ہے اس قدر کیئرنگ بی ہیویئر کی۔ بچی نہیں ہوں میں۔"

"بچی نہیں ہو اسی لیے تو کہہ رہی ہوں۔ پتہ بھی ہے سرکل میں کیسی کیسی باتیں کرنے لگے ہیں لوگ۔"

چچی جان کا تیز لہجہ سنائی دیا۔ وہ گہری سانس بھرتا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ مگر اس کے کمرے سے لاؤنج کا فاصلہ ہی کتنا تھا محض دس یا بارہ فٹ۔ دروازہ بند کر لینے کے باوجود آوازیں اس کی سماعتوں سے صاف طور پر ٹکرا رہی تھیں۔ وہ بستر پر چت لیٹ گیا۔

"سو وات؟ میرا آپ کے سرکل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ میں نے کبھی آپ کے معاملات میں دخل نہیں دیا ہے۔ آپ کو بھی میری مصروفیات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ خاصے زور سے کہہ رہی تھی۔

"ماں ہوں میں تمہاری۔ کیوں مطلب نہیں ہونا چاہیے؟ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ ان لفنگے اور بدمعاش دوستوں کا پیچھا چھوڑ دو۔ ملنے والوں میں ایک سے ایک شاندار لڑکے ہیں ان میں سے کسی کو منہ نہیں لگاتیں اور یہ یوڈی اور رکی....."

"میرے دوستوں پہ آپ کوئی کمنٹ پاس مت کریں اور بہت جلدی آپ کو یاد آ گیا ہے کہ آپ میری ماں ہیں اور میں آپ کی بیٹی ہوں۔" تیز لہجے میں انہیں ٹوکتے ہوئے اس نے خاصے طنز سے کہا تو چند ثانیے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"ابھی تو بات کو ٹھیک طرح سے سمجھ لیا کرو رومی! میں تمہارے بھلے کے لیے....."

اب کی بار چچی جان کا لہجہ دبا دبا سا تھا۔

"ہاں بھلا.....؟ بچپن سے اب تک تو جیسے میرا بھلا ہی سوچتی آئی ہیں آپ مگر ایک بات آپ دھیان میں رکھیے۔ میرے معاملات سے خود کو دور ہی رکھیے۔"

وہ بہت تندی سے کہہ رہی تھی۔ پھر اس کے بعد دروازہ بند ہونے کی زور دار آواز آئی وہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

ماحول ایک دم پُرسکون ہو گیا۔ مگر زعیم کو بے سکونی لگنے لگی۔

کتنے مجبور اور بے بس ہوتے ہیں یہ بڑے لوگ..... مگر اپنے بچوں کی زبان تک نہیں روک سکتے کجا ان پر کسی قسم کی پابندی لگانا۔ اسے درحقیقت رومیصا کی بدزبانی پر غصہ اور چچی جان کی بے بسی پر ترس آ رہا تھا۔

صبح ناشتے کی میز پر خلاف توقع چچا جان اور چچی جان کے ساتھ رومیصا بھی موجود تھی۔

زعیم کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہاں کچھ گرما گرمی ہو چکی ہے۔ وہ سلام کرتا خاموشی سے اپنی نشست سنبھال کر بیٹھ گیا۔ رومیصا بڑی دل جمعی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔ چچا جان چائے کے ساتھ ساتھ اخبار میں گم تھے جبکہ چچی جان کے چہرے کی ناگواری چیخ چیخ کر کچھ دیر پہلے ہونے والی کسی جنگ کی نشاندہی کر رہی تھی۔

ملازمہ نے زعیم کا ناشتا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

رومیصا نے ایک سرسری نظر اس کی پلیٹ پر ڈالی۔ پھر حیرت سے بول اٹھی۔

"ویری اسٹرینج۔ آپ ناشتے میں پراٹھا لیتے ہیں۔" اس کی حیرت نے زعیم کو قدرے جز بز سا کر دیا تھا مگر جواباً سادگی سے بولا۔

"ناشتے میں پراٹھا لینے میں کیا حیرت والی بات ہے؟"

"بھئی آپ اتنے فٹ اتنے اسمارٹ ہیں۔ لگتا تو نہیں کہ پراٹھے کھاتے ہوں گے۔"

وہ صاف گوئی سے کہتی زعیم کو جز بز کر گئی۔ چچا اور چچی جان تو یوں بیٹھے تھے گویا وہاں موجود ہی نہ ہوں۔ اب وہ اس کی بات کا کیا جواب دیتا۔ خاموشی سے ناشتا کرنے لگا۔

"پاپا پھر آپ مجھے مجھے میں تھا تو زندہ دے رہے ہیں نا؟"

"بالکل بھی نہیں۔" چچا جان کے کوئی جواب دینے سے پہلے چچی جان نے تیز لہجے میں کہہ دیا تو وہ بھی ان ہی کے سے انداز میں بولی۔

"ممی پلیز آپ چپ رہیں۔ میں اس وقت پاپا سے بات کر رہی ہوں۔"

"رومی بیٹا.....!" چچا جان نے تنبیہی انداز میں کہتے ہوئے اخبار سمیٹ کر رکھ دیا تو وہ ٹھٹکی۔

"جی کہیں پاپا۔"

"رقم تو آپ مجھ سے چاہے جتنی بھی لے لیں۔ مگر بیٹا یہ بات آپ کی ممی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔"

انہوں نے رسان سے کہا تو وہ خفگی سے بولی۔

"اور میں غلط ہوں کیا.....؟ میری سب فرینڈز جا رہی ہیں۔ مجھ پر یہ پابندی کیوں؟"

"کوئی پابندی نہیں بیٹا جانی۔ لیکن جو آپ کی ممی کہہ رہی ہیں وہ بھی تو بہت ضروری ہے نا!"

"پاپا پلیز۔ اب میں بچی نہیں رہی۔ مجھے یہ برتھ ڈے وغیرہ سلیبریٹ کرنے کا کوئی شوق نہیں۔ آپ لوگ اپنی اکیسویں ویڈنگ اینی ورسری سلیبریٹ کریں کیجیے مگر مجھے اس ٹور پر ضرور جانا ہے۔"

وہ اٹل انداز میں کہہ رہی تھی۔ یکلخت ہی زعیم کو اپنے اس منظر میں مس فٹ ہونے کا احساس ہونے لگا۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ اب وہاں سے اٹھ کر جانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

"بس رومیصا! جب ایک بات طے ہو چکی ہے تو پھر خوامخواہ بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ٹور پر ڈنر کے بعد بھی جایا جا سکتا ہے۔"

اب کی بار چچا جان کا انداز بھی سپاٹ تھا۔ زعیم کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میں چلتا ہوں۔" وہ قصداً مسکرایا۔ مگر چچا جان کی نظر اس کی پلیٹ پر تھی۔

"ناشتا تو ٹھیک سے کر لو۔"

"بس ہو گیا ویسے بھی لیٹ ہو رہا ہوں۔ اللہ حافظ۔"

وہ عام سے انداز میں کہتا وہاں سے ہٹ گیا اسے اپنے پیچھے سے رومیصا کی آواز سنائی دی۔

"میں اپنے فرینڈز کے ساتھ پروگرام سیٹ کر چکی ہوں پاپا! آپ برتھ ڈے کا پروگرام آگے پیچھے کر لیں۔"

اس کے جواب میں چچا جان پھر سے تیز لب و لہجے میں شروع ہو گئی تھیں۔ زعیم کی طبیعت مکدر ہونے لگی۔ صبح ہی صبح اس جنگ نے اس کے مزاج پر کچھ خاص اچھا اثر نہیں ڈالا تھا۔ اور یہ ناگواری اسپتال پہنچنے تک اس کے

ذہن میں رہی تھی۔

"ہیلو ڈاکٹر زعیم......!"

وہ اپنے مریض کو دیکھنے جا رہا تھا جب کوریڈور میں ڈاکٹر سلویٰ سے ٹڈ بھیڑ ہو گئی۔ زعیم کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی۔

"السلام وعلیکم۔ کیسی ہیں آپ؟"

"الحمد اللہ......" وہ اپنی مخصوص شگفتگی سے مسکرا رہی تھی۔

"آپ اتنی تیزی میں کہاں جا رہے ہیں؟"

"اپنے پیشنٹ کو دیکھنے۔"

"اسے میں دیکھ چکی ہوں۔ بالکل ٹھیک ہے بس ہلکا سا درد تھا جس کے لیے میں نے پین کلر لکھ دی تھی اور بی پی بھی بالکل نارمل ہے۔" وہ روانی سے کہہ رہی تھی۔

"تھینک یو......" زعیم نے دلچسپی سے اسے دیکھا تو وہ شرارت سے بولی۔

"یو ویلکم...... لیکن اگر آپ ایک کپ چائے پلوا دیں تو اس چھوٹے سے "تھینکس" کا بدلہ بھی اتر سکتا ہے۔"

"او شیور چلیں۔" وہ جلدی سے بولا۔ پھر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بڑے سرسری انداز میں پوچھا۔

"عمر اور اسعد کہاں نہیں دیکھے۔ مصروف ہیں کیا؟"

"عمر تو سر بخاری کو ایک آپریشن میں اسسٹ کر رہا ہے جبکہ اسعد اس وقت اپنے مریض نمٹا رہا ہے اور میں ابھی راؤنڈ لے کر آ رہی ہوں۔"

اس نے تفصیلاً بتایا تو وہ ہلکے سے ہنس دیا اور چائے کے اس ایک کپ پر ان دونوں کے مابین خود بخود ایک دوستی کی فضا پیدا ہوتی چلی گئی۔ جس کی سب سے بڑی وجہ زعیم کے نزدیک تو سلویٰ ملک کا اسعد خالد کے لیے اہم ہونا ہی تھا۔ باتوں کے دوران سلویٰ ملک کی برجستگی، ذہانت اور دلکش انداز دیکھ کر زعیم نے کتنی ہی بار اسعد کی قسمت پر رشک کیا تھا۔ واقعی وہ اسعد جیسے مخلص اور شرارتی بندے کے لیے ایک بہترین لڑکی تھی۔ یہی بات اس نے جب بعد میں اسعد کو بتائی تو وہ تفاخر سے بولا۔

"وہ میری پسند ہے۔ کوئی ایسی ویسی نہیں۔"

"بالکل......" زعیم نے اس کی تائید کرنے کے بعد بڑی ہمدردی سے کہا۔

"مگر اب خدا کرے کہ تم بھی اسے پسند آ جاؤ۔"

اسعد نے ارد گرد مریضوں کی موجودگی کا خیال کیے بغیر اس کے شانے پر مکا دے مارا تھا۔

☼ ☼ ☼

"زعیم...... یار محبت کے اظہار کا سب سے آسان اور مؤثر طریقہ کیا ہے؟"

وہ ایک ایمرجنسی کیس سے فراغت پا کر کینٹین کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جب اسعد نے پوچھا۔

"جس میں محبوبہ کے بھائیوں کی چھتروں اور محبوبہ کی سینڈلوں کا اندیشہ نہ ہو۔" عمر نے لقمہ دیا۔ زعیم نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی تائید کی۔

"میں بالکل سنجیدہ ہوں یار!" وہ ناراض ہوا۔

"اوکے...... مگر پہلے یہ تو بتاؤ کہ یہ محبوبہ خیالی ہے یا اس کا کوئی وجود بھی ہے اس دنیا میں؟"

عمر نے فوراً "صلح جویانہ انداز" اپنایا تھا۔ اسعد نے اسے گھور کر دیکھا۔

"پہلے اپنی محبوبہ کا حدود اربعہ بتاؤ۔" عمر نے آرام سے کہا تو وہ جل کر بولا۔

"اس کے مشرق میں سمندر، مغرب میں گرلز کالج، شمال میں ہمارا ہاسپٹل اور جنوب میں طارق روڈ واقع ہے۔ بس یا اور کچھ؟"

"اوہ...... ڈاکٹر سلویٰ ملک......" عمر نے اس قدر سرسری انداز میں کہا کہ زعیم تو حیران ہوا ہی تھا اسعد بھی گنگ سا اسے دیکھنے لگا۔ اس کی شکل دیکھ کر عمر ہنسنے لگا۔

"تمہیں کیسے پتہ کہ وہ ڈاکٹر سلویٰ ملک ہے؟" زعیم کو واقعی حیرت ہوئی تھی۔

"ویری سمپل۔ وہ ہمارے ہی بلاک میں رہتی ہے اسعد کو بھی معلوم ہے کہ ہم دونوں کا حدود اربعہ ایک ہی ہے۔"

وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

"ایک میں ہی بے وقوف ہوں یہاں۔" اسعد کو واقعی افسوس ہوا تھا۔

"ویسے کچھ خاص اچھی جگہ دل نہیں لگایا تم نے۔ وہ کہاں لفٹ کرائے گی تجھے۔"

وہ آنکھوں میں شرارت لیے کہہ رہا تھا۔ اسعد نے دانت پیس کر کہا۔

"اپنی یہ منحوس پیش گوئیاں بند رکھو۔"

"اسی فیصد لوگوں کے متعلق میری پیش گوئیاں بالکل سچی ثابت ہوتی ہیں۔"

عمر نے بڑے یقین کے ساتھ زعیم کو بتایا تو اسعد نے میز پر دھرے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر چڑتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے باقی ہیں فیصد میں شامل سمجھو۔ جن کے متعلق تمہاری پیش گوئی غلط ثابت ہوتی ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے؟"

عمر مصالحت پر اتر آیا۔ وہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ مایوسی سے بولا۔

"اس سے بڑا مسئلہ اور کیا ہوگا کہ میں ابھی تک اسے اپنی فیلنگز نہیں بتا پا رہا ہوں۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ اپنی فیلنگز بتانے کا سب سے بہترین طریقہ ہے شادی کا پروپوزل..... وہ سب سمجھ جائے گی۔"

زعیم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"یہ سچ ہے کہ میں اس کے ساتھ کوئی لمبا چوڑا افیئر نہیں چاہتا مگر یوں ایک دم سے اپنا پروپوزل بھجوانے کے حق میں بھی نہیں ہوں۔ وہ ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کہیں انوالو ہو..... اس لیے میں چاہتا ہوں کہ پہلے اس سے بات کروں پھر معاملہ آگے بڑھاؤں۔" وہ بھی سنجیدگی سے اپنا مطمع نظر واضح کر رہا تھا۔

"اتنی چھوٹی سی بات کو اتنا بڑا مسئلہ بنا کر سر پر سوار کر رکھا ہے۔ سیدھے سبھاؤ جا کر سلویٰ سے بات کرو۔ آریا پار۔"

عمر نے اپنے مخصوص انداز میں مشورہ دیا تو وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"یہ اتنی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ میں اپنا لائف پارٹنر منتخب کرنے والا ہوں نہ کہ سرورد کی گولی۔ جس کے لیے سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہ ہو۔"

"یہ بتاؤ کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" زعیم نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے پوچھا تو وہ کہنے لگا۔

"میں اس تک اپنی فیلنگز پہنچانا چاہتا ہوں اور اپنے متعلق اس کے خیالات جاننا چاہتا ہوں۔"

"تو یار میرے روکا کس نے ہے۔ کو اے ہیڈ....." عمر نے تقریباً زچ آ کر کہا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں براہ راست اس سے اس معاملے میں بات کرنا نہیں چاہتا۔ اگر اس نے مجھے انکار کر دیا تو....."

وہ خاموش سا ہو گیا۔ اس کے انداز و الفاظ نے ان دونوں کو بھی متاثر کیا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ سلویٰ ملک کو "حقیقتاً" چاہتا ہے اور اسے کسی قیمت پر بھی گنوانا نہیں چاہتا۔

"تو پھر اسے کیسے پتہ چلے گا اس سارے معاملے کا۔ کون بتائے گا اسے؟" عمر جھنجلا کر بولا۔

"تم دونوں میں سے کوئی....."

وہ ملتجیانہ انداز میں بولا تو وہ دونوں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

"کہیں اس کا دماغ تو نہیں چل گیا....." زعیم کو شبہ ہوا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ میں اس معاملے کو بالکل کورا ہوں۔ بالفرض وہ کہیں انوالو نہ بھی ہوئی اور مجھے اس کو تمہارے لیے کنونس کرنا پڑا تو سمجھو کہ تمہارا تو بیڑا ہی غرق ہو جائے گا۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں بڑا پریکٹیکل بندہ ہوں یہ لفاظی وغیرہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔"

عمر نے صاف طور پر اس معاملے سے ہاتھ اٹھا لیے۔ وہ سوالیہ نظروں سے زعیم کو دیکھنے لگا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"میں..... بھلا میں کیسے؟ میں نے تو زندگی میں کبھی ایسا کام نہیں کیا۔"

"میں کون سا اسمگلنگ کروا رہا ہوں تم سے اور تمہیں تو عمر جیسی کوئی پرابلم بھی نہیں ہے۔ کسی کو بھی کنونس کرنا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ دوسرے یہ کہ سلویٰ سے تمہاری اچھی دوستی بھی ہو گئی ہے۔ تمہاری خاصی تعریف کرتی ہے وہ۔"

اسعد بات کرتے کرتے کافی پرجوش ہو گیا تھا۔

"خدا کو مانو یار۔ تعریف کرتی ہوگی تو کسی اچھے کام پر۔ اب کیا اس چکر میں جوتے پڑواؤ گے۔"

وہ بدک گیا۔ عمر ہنسنے لگا۔

"کر بھلا ہو بھلا۔ اچھا ہے اپنے لیے راہ ہموار ہو جائے گی۔"

"یار! میں کیسے اس سے اس طرح کی بات پوچھ سکتا ہوں..... ایک لڑکی سے؟"

وہ ناراض ہوا۔

"بس اب ٹھیک ہو گیا ہے۔ نا صرف تم سلویٰ تک میرے خیالات پہنچاؤ گے بلکہ میرے متعلق اس کے خاص "خیالات" بھی پتہ کرو گے۔" اسعد مطمئن ہو گیا۔

"لاحول ولا قوۃ..... میں اس کی سہیلی نہیں ہوں کہ وہ

مجھے اپنے خاص خیالات بتاتی پھرے گی۔" وہ پھر سے بہک گئے۔

اس کی بات پر عمر دل کھول کر ہنسا تھا۔ مگر اسعد طے کیے بیٹھا تھا کہ یہ مہم زعیم ہی سر کر سکتا ہے۔ بقول اس کے۔

"تم اتنے شاندار ذہن اور سنجیدہ ہو کہ وہ تمہاری بات کو مذاق سمجھنے سے پہلے بھی سو دفعہ سوچے گی۔"

وہ گہری سانس بھر کر متاسفانہ انداز میں اسے دیکھنے لگا، تب ہی اسپیکرز پر ایمرجنسی کال آنے لگی۔

"آج تو لگ رہا ہے کہ ایمرجنسی ڈے ہے۔"

وہ کرسی سے اٹھتے ہوئے جھنجھلایا۔

سسٹر زبیدہ انہیں کوریڈور ہی میں مل گئی۔

"بہت سیریس ایکسیڈنٹ کیس ہے۔ دس بارہ سال کا بچہ ہے۔ خون بہت ضائع ہو چکا ہے۔ فی الحال تو ابتدائی طبی امداد دی جا رہی ہے پولیس کو بھی انفارم کر دیا گیا ہے۔ ان کے آنے کے بعد ہی آگے کی کارروائی ہوگی۔"

ایمرجنسی روم میں داخل ہوتے ہی زعیم نے تیزی سے سب کو ہدایات دینا شروع کر دی تھیں۔

بچے کی پیشانی پر گہرا سا زخم تو واضح تھا مگر اس کا باقی جسم بھی خون میں لت پت تھا۔ ابھی تو اسے فقط آکسیجن ہی لگائی گئی تھی۔

"کس چیز سے ایکسیڈنٹ ہوا ہے؟"

وہ بچے کا باقی جسم احتیاط کے ساتھ ٹٹولتے ہوئے زخموں کا اندازہ لگاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کسی گاڑی کے نیچے آیا ہے۔ کہہ رہے ہیں کہ ڈرائیور نشے میں تھا۔"

"اسے آپریشن تھیٹر میں شفٹ کرو۔ فوری۔ اس کی پسلیوں کو بھی نقصان پہنچا ہے اسعد! فوراً" اس کے ٹیسٹ ہونے چاہئیں پیشانی کا زخم بھی بہت گہرا ہے۔" وہ تیز لب و لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"لیکن سر! یہ پولیس کیس ہے....."

سسٹر زبیدہ نے دبے لفظوں میں اسے باور کرانا چاہا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"اس سے پہلے یہ ڈاکٹرز کیس ہے سسٹر! اس کی زندگی ہوگی تو ہی یہ بیان دے پائے گا۔ پولیس سے پہلے ہمیں اپنی ڈیوٹی نبھانی ہے۔"

"یس سر.....!" وہ خفیف سی ہو کر پلٹ گئی تھی۔

زعیم مطمئن ہو کر سب کو ضروری ہدایات دینے لگا۔

ایکسرے رپورٹ سے پتہ چلا کہ بچے کی پیشانی کا صرف زخم ہی گہرا نہیں تھا بلکہ سر کی ہڈی کو بھی نقصان پہنچا تھا۔

"فوری آپریشن کرنا پڑے گا۔ فی الحال تو وہ ہوش میں نہیں ہے۔"

سرجن بخاری کو ایمرجنسی میں خود زعیم نے کال کی تو وہ فوراً" چلے آئے۔ مگر تب تک پولیس کے دو اہلکار بھی اسپتال پہنچ چکے تھے۔

سر بخاری انہیں قطعی نظر انداز کرتے آپریشن تھیٹر میں گھس گئے۔

تاہم زعیم پولیس والوں کے پاس کوریڈور ہی میں رک گیا۔

"آپ تو معاشرے کے ذمہ دار شہری ہیں آپ کو تو اچھی طرح اپنی ڈیوٹی کا پتہ ہونا چاہیے۔ پولیس تحقیقات سے پہلے ہی آپ نے ایک ایکسیڈنٹ کیس کو ہینڈل کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ سراسر قانون کی خلاف ورزی ہے۔"

پولیس والے نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں گویا زعیم پر چارج لگانا شروع کیا۔

"دیکھیں آفیسر۔ وہ ایک معصوم سا بچہ ہے اس کا خون بہت بہہ چکا ہے۔ پیشانی کی ہڈی کو بھی سخت نقصان پہنچا ہے۔ ایک پسلی بھی ڈیمیج ہو چکی ہے اب ایسی صورت حال میں ایک ہی کام ہو سکتا تھا یا تو آپ کو اطلاع کی جاتی یا پھر اس معصوم کی جان بچائی جاتی۔ ہم نے بہرحال اس کی جان بچانے کی کوشش ہی کو اہمیت دی۔ آپ کے کیس تو چلتے ہی رہتے ہیں زندگی ہونی چاہیے۔"

زعیم نے سمجھتے ہوئے انداز میں اپنی بات مکمل کی تو وہ آنکھیں ہائیں شائیں کرنے لگا۔

"ایکسکیوزمی ڈاکٹر صاحب......؟"

سسٹر نادیہ تیزی سے ان کی طرف آئی تھی مگر اسے پولیس آفیسر سے محو گفتگو پا کر ٹھٹک سی گئی۔

"جی کہیے....." زعیم اپنی بات ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ وہ قدرے محتاط انداز میں بولی۔

"سر! وہاں ویٹنگ روم میں ڈاکٹر سلویٰ ملک آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ کوئی سیریس کیس ہے..... شاید۔"

"اوکے میں آتا ہوں۔" زعیم اپنی حیرت دباتا دوبارہ پولیس آفیسر کی طرف پلٹا۔

"ڈیڑھ گھنٹے کی سرجری ہے۔ آپ لوگ چاہیں تو یہیں ویٹ کر سکتے ہیں۔ ورنہ آپ کو کال کر لیں گے۔ کیونکہ بچے کو ہوش میں آنے میں بھی ٹائم لگے گا۔"

"کم از کم یہ بتائیں کہ اس زخمی بچے کو یہاں لے کر کون آیا ہے۔"

پولیس آفیسر نے قدرے جھنجلا کر پوچھا اور ابھی زعیم لاعلمی ظاہر کرنے ہی والا تھا کہ سسٹر نازیہ نے کہا۔

"ایک لڑکی لائی ہے اسے....."

"کہاں ہے وہ.....؟" سست اور بے زار نظر آنے والے پولیس والے یکلخت ہی چوکنے ہو گئے۔

زعیم حیرانی سے سسٹر نازیہ کو دیکھنے لگا۔ جس کے تاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ بات منہ سے نکال کر اب پچھتا رہی ہے۔

"وہ... وہیں ہیں رکی۔ ڈاکٹر سلویٰ کے پاس۔"

"یہ بات آپ کو سب سے پہلے بتانی چاہیے تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی واقعہ کی چشم دید گواہ ہو۔ کہاں ہے آپ کا ویٹنگ روم؟"

پولیس والے نے قدرے سختی سے کہا تو زعیم گہری سانس بھرتا ان کے ساتھ چل پڑا۔

"آئم سوری۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ ڈاکٹر سلویٰ نے صرف آپ کو بلانے کو کہا تھا۔ وہ لڑکی آپ کا پوچھ رہی تھی۔"

سسٹر نازیہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے مدھم مگر شرمسار سے انداز میں کہا تو وہ مزید الجھن میں پڑ گیا۔ بھلا اسے اس شہر میں کون لڑکی جانتی تھی؟

"ڈاکٹر زعیم..... فوراً" آپریشن تھیٹر نمبر ٹو میں پہنچیں۔"

اسپیکرز پر اناؤنسمنٹ ہونے لگی تو وہ وہیں رک گیا۔

"آپ لوگ چلیے۔ میرا اس وقت ایمرجنسی میں ہونا ضروری ہے۔"

اس نے سسٹر نازیہ کو انہیں اپنے ساتھ اس لڑکی کے پاس لے جانے کا کہا اور خود تیزی سے واپس بھاگا۔

سرجری کے بعد بچے کو چند گھنٹوں کے لیے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

"ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔ ابھی تو اس نے بہت کرکٹ کھیلنی ہے۔" سر بخاری کا تسلی دینے کا اپنا ہی انداز تھا۔ ان کے جانے کے بعد عمر نے زعیم سے کہا۔

"پتہ نہیں کس کا بچہ ہے۔ ابھی تک شاید اس کے سرپرستوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا۔ یا کسی کو پتہ ہی نہیں چلا۔ روڈ ایکسیڈنٹ تھا نا۔ اس لیے کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ وہیں جائے حادثہ سے کسی نے اٹھا کر اسپتال پہنچایا ہو گا۔"

زعیم کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا تھا۔

"ایکسکیوز می..... میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ تیزی سے باہر لپکا تو عمر نے بھی اس کی تقلید کی۔

"ہوا کیا ہے؟"

"یار! اسے کوئی لڑکی یہاں لائی تھی۔ اب تک شاید پولیس والے اس سے پوچھ کچھ کر چکے ہوں۔ مگر سسٹر نازیہ کہہ رہی تھی کہ وہ لڑکی میرے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ جانے کون ہو؟"

وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا بتا رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے کوئی رشتہ دار ہو۔" عمر نے کہا تو زعیم نے اس کی بات رد کر دی۔

"کراچی میں ہمارا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔"

مگر ویٹنگ روم میں قدم رکھتے ہی وہ ساکت رہ گیا۔ زعیم نظر پڑتے ہی وہ روتی ہوئی اٹھ کر اس کے شانے سے آ لگی۔

اس صورت حال نے وہاں موجود سب ہی نفوس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ خود زعیم کو رومیکا کی اس بےاختیارانہ حرکت پر اپنی پوزیشن آکورڈ محسوس ہونے لگی۔ اس نے غیر محسوس کن طریقے سے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے پولیس آفیسر کی طرف دیکھا جو اس سے پہلے رومیکا کے سر پر کھڑا پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

"یہی اس بچے کو اپنی گاڑی میں یہاں لائی ہیں۔"

پولیس آفیسر نے اس کی سوالیہ نظروں کو پڑھتے ہوئے انکشاف کیا تو وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کسی کی جان بچانے میں مدد کرنا اس قدر بڑا گناہ تو نہیں کہ اسے ہراساں کیا جائے۔"

"جناب آپ پوری تفصیل جانے بغیر قیافے مت لگائیں۔ ایکسیڈنٹ بھی ان ہی محترمہ کی گاڑی سے ہوا ہے کوئی ایسی خاص بڑی نیکی بھی نہیں کی انہوں نے۔"

پولیس آفیسر کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔ وہ شاکڈ سا رومیکا کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں رو رو کر متورم ہو رہی تھیں۔

زعیم کو بے یقینی سے خود کو دیکھتا پا کر اس نے نفی میں سر ہلایا تو پھر سے آنسو اس کا چہرہ بھگو گئے۔ رندھی ہوئی آواز میں اس نے اپنی صفائی دینا چاہی۔

"گاڑی میں ڈرائیو نہیں کر رہی تھی زعیم۔! میں تو اس بچے کی جان بچانے کے لیے اسے....."

پولیس آفیسر اس کی بات کاٹ کر سختی سے بولا۔
"جھوٹ مت بولیے۔ نشے کی حالت میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے آپ نے اس معصوم بچے کو بے رحمی سے...."

"بس انسپکٹر صاحب....!" زعیم بس اتنا ہی برداشت کر پایا تھا۔ تیز لہجے میں اسے ٹوک گیا۔

"ہوش مندوں سے زیادہ حواس میں ہیں یہ کہاں سے نشے میں دھت لگ رہی ہیں۔ براہ مہربانی مجرموں اور بے گناہوں میں فرق کرنا سیکھیں۔" اس کی بات گرچہ غصہ دلانے والی تھی۔ مگر پولیس والوں پہ کچھ خاص اثر نہیں ہوا۔ شاید ان کا پیشہ ہی ایسا تھا۔ جہاں پتہ نہیں دن میں کتنی بار ایسی ہی باتیں کہنا اور سننا پڑتی تھیں۔

عمر نے بے اختیار اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چہرہ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"ریلیکس زعیم.... آرام سے بیٹھ کر بات کرو۔ یوں خوامخواہ بات بڑھے گی۔ میں ابھی مہر بخاری کو بلا کر لاتا ہوں۔"

وہ آنکھ کے خفیف سے اشارے سے اسے سمجھاتا باہر نکل گیا۔ اس نے اپنے پیچھے کھڑی رومیسا کو ڈاکٹر سلوی ملک کے پاس بٹھا دیا جو بڑی حیرانی سے اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

"اب آپ یہ بتائیں کہ یہ محترمہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟" پولیس آفیسر ماحول کو اپنی مرضی کے مطابق پا کر جھٹ سے ہی زعیم سے تفتیش کرنے لگا' رومیسا نے بے اختیار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ جس کا چہرہ جانے غصے سے سرخ ہو رہا تھا.... یا پھر شرمندگی سے۔

"یہ کزن ہیں میری.... چچازاد۔" وہ سیدھا پولیس آفیسر کو گھور رہا تھا۔

"دیکھیں آپ ایک شریف شہری ہیں اور یہ بھی اپنے والد صاحب کا بہت اونچا نام بتا رہی ہیں۔ مگر بیان ٹھیک سے نہیں دے رہیں۔ کوئی اور ہوتا میری جگہ تو ابھی تک یہ لاک اپ میں ہوتیں۔ میں صرف اس بچے کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ اور جس روڈ پر انہوں نے ایکسیڈنٹ کیا تھا وہاں میں نے اپنے بندے بھیج کر اس بچے کے لواحقین کا پتہ چلانے کو کہا ہے۔ اگر انہوں نے یہاں پہنچ کر ایف آئی آر درج کرا دی تو پھر مجبوراً انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔"

اس کی بات کے جواب میں پولیس آفیسر نے تفصیل سے کہا۔

"اگر یہ اپنے والد صاحب کا بہت "اونچا" نام بتا رہی ہیں تو یہ بالکل سچ ہے "دانش گروپ اینڈ انڈسٹریز" کے اونر سہیل عباسی کی بیٹی ہیں یہ اور جہاں تک بیان کی بات ہے تو آپ میرے سامنے ان سے بیان لے سکتے ہیں۔ رومیسا بالکل سچ بتائے گی۔"

اطمینان سے کہتے ہوئے آخر میں اس نے رومیسا کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے کی ساری شادابی اس وقت زردی میں تبدیل ہو چکی تھی۔

زعیم کو حیرت ہونے لگی۔ ایک فون کر کے وہ چچا جان کو انفارم کر دیتی تو ابھی تک اپنے بیڈ روم میں آرام فرما رہی ہوتی۔ جانے کیوں اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس وہ زعیم کا نام لیتی رہی تھی۔

"گاڑی میں، میں اور میرا فرینڈ یوڈی تھے...." اس نے ہتھیلیوں سے رخسار خشک کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا تو پولیس آفیسر نے استفہامیہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی۔

"یوڈی....؟"

"عمیر داؤدی نام ہے اس کا۔" رومیسا نے وضاحت کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"لیکن ہم سب فرینڈز اسے یوڈی کہتے ہیں۔ بلیوی جب ہم اس روڈ سے گزر رہے تھے تب روڈ بالکل خالی تھی۔ پتہ نہیں کیسے ایک دم سے وہ بچہ گاڑی کے سامنے آ گیا۔"

"آپ نے ایک نرس کو بتایا تھا کہ نشے کی حالت میں گاڑی ڈرائیو کرنے کی وجہ سے یہ ایکسیڈنٹ ہوا ہے رائٹ؟"

پولیس آفیسر نے پوچھا تو زعیم لب بھینچے رومیسا کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں بہت پریشان اور گھبرائی ہوئی تھی۔ پتہ نہیں یہاں آ کر میں نے کیا کہا۔" اس نے زعیم سے نگاہ نہیں ملائی تھی۔

"آپ نشے میں تھیں یا نہیں؟" پولیس آفیسر اپنے سوال پر اڑا ہوا تھا۔

"نہیں...." اس نے فی الفور انکار کیا۔ پھر قدرے توقف کے بعد مدھم سے مجرمانہ انداز میں بولا۔

"مگر یہ ڈی ڈرائیو کرنے کی کنڈیشن میں نہیں تھا۔ میں نے اسے منع بھی کیا مگر وہ نہیں مانا۔"

زعیم لب بھینچ کر رہ گیا۔ درحقیقت اس کا وہاں سے اٹھ کر چلے جانے کا دل چاہ رہا تھا۔

"وہ آپ کے ساتھ اسپتال کیوں نہیں آیا؟"

"وہ اسی وقت گاڑی سے اتر گیا۔ مگر میں بچے کو اتنی بری حالت میں وہاں چھوڑ نہیں سکی۔"

"اپنے وکیل کو فون کیجیے محترمہ۔ آپ کا دوست آپ کو ایک بہت بڑی مصیبت میں پھنسا چکا ہے۔ خدانخواستہ اگر اس بچے کو کچھ ہو گیا تو آپ کسی صورت بچ نہیں پائیں گی۔ کیونکہ وہ تو موقع واردات ہی سے فرار ہے۔ اس ایکسیڈنٹ کے وقت اس کی آپ کے ساتھ موجودگی کا کوئی گواہ بھی نہیں۔ سو آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ اس زخمی کے والدین کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے وکیل سے رابطہ کرلیں۔"

چچا جان کے نام و مقام کا اثر پولیس آفیسر کے لب و لہجے کی نرمی سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"میں خود بات کرتا ہوں چچا جان سے۔"

زعیم اٹھ کھڑا ہوا تو اس کی بات سن کر رومیا بھی مضطربانہ انداز میں اٹھ گئی۔

"ایکسکیوزمی..... میں دو منٹ کے لیے ان سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"دیکھیں بی بی! جتنی نرمی ہم برت رہے ہیں اسی کو غنیمت جانیے۔ آرام سے بیٹھی رہیے۔ باقی کے معاملات اپنے بڑوں کو طے کرنے دیں۔"

اب کی بار پولیس آفیسر کے انداز میں بے رخی کی جھلک نمایاں تھی۔

"بیٹھ جاؤ رومیا۔ اپنے لیے مزید مشکلات پیدا مت کرو۔"

وہ سرد انداز میں کہتا باہر نکلا تو کوریڈور میں عمر اور اسعد سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ عمر اسے دیکھتے ہی معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"سوری یار! ڈاکٹر بخاری تو نکل چکے ہیں۔"

"ڈونٹ وری۔" صورتحال قابو میں ہے تم دونوں اندر بیٹھو میں ایک ضروری کال کر آؤں۔"

وہ کہتے ہوئے ریسپشن کی طرف آگیا۔

فون چچی جان نے اٹھایا تھا۔ زعیم نے مختصراً انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو چند لمحے شاید سکتے میں رہنے کے بعد وہ پھٹ پڑیں۔

"بس یہی کسر باقی رہ گئی تھی۔ یہی دن دکھانا تھا اس لڑکی نے ہمیں۔ اب اس کے پیچھے تھانے کچہری کے چکر کاٹنے پڑیں گے ہمیں....."

وہ شاید اور بھی بولتیں مگر چچا جان نے ریسیور ان کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ زعیم کو ایک بار پھر تمام صورت حال بیان کرنا پڑی۔

"او کے..... میں دس منٹ میں اپنے وکیل کے ساتھ پہنچ رہا ہوں۔"

چچی جان کے برعکس انہوں نے اپنے حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا اور بعجلت فون بند کر دیا۔

فون رکھنے کے بعد چند لمحے وہ یونہی کھڑا رہا۔

درحقیقت اسے سب کے سامنے رومیا کا رشتہ دار ہونے پر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ جس گھرانے اور ماحول سے اٹھ کر آیا تھا۔ وہاں اخلاقیات کی پاس داری کی جاتی تھی' عزت کو کانچ کے کھلونے کی طرح سینت سینت کر رکھا جاتا تھا۔ جہاں لڑکیوں کو اپنی نسائیت کی حفاظت کا احساس دلایا جاتا تھا وہیں لڑکوں کی پرورش میں بھی اخلاق و کردار کی مضبوطی کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔

اور یہاں' چچا جان کے گھر میں اس نے سب جاؤ ہیل کا ہر منظر دیکھ لیا تھا۔

وہ گہری سانس بھرتا دل نہ چاہنے کے باوجود ویٹنگ روم کی طرف چل پڑا تو وہاں ایک نیا ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔

زخمی بچے کا باپ اور چچا وہاں پہنچ چکے تھے اور یقیناً پولیس آفیسر کی زبانی ساری صورت حال جان کر ہی اب رومیا پر برس رہے تھے۔

"ایکسکیوزمی....." زعیم نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"دیکھیں اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ایکسیڈنٹ چاہے کسی کی بھی غلطی کی وجہ سے ہوا ہو بنیادی چیز ہے بچے کی صحت یابی آپ لوگ اس کے لیے دعا کریں۔ اس کا علاج معالجہ ہمارے ذمے ہے۔ آپ کے بچے کی زندگی بچ جائے ان شاء اللہ تو آپ کو ان کی غلطی کا احساس تک نہیں رہے گا۔ مگر پلیز فی الحال آپ اس کے لیے دعا کریں۔ اس لڑائی جھگڑے اور ہنگامے کا کچھ فائدہ

نہیں ہے۔"

"میں بھی ان سے یہی کہہ رہا ہوں۔ ان کا بچہ بالکل خیریت سے ہے۔ تھوڑی دیر تک اسے وارڈ میں شفٹ کر دیا جائے گا۔ جب تک اس کا بیان نہیں لے لیا جاتا' تب تک کسی کو موردِ الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں۔"

عمر نے بھی انہیں تسلی دی تھی۔

"پھر بھی جناب گاڑی میں بیٹھے ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ناکہ آپ راہ چلتے کو انسان ہی نہ سمجھیں۔"

بچے کا باپ قدرے دھیما پڑتے ہوئے زود رنج ہو کر بولا۔

"دیکھیں جی دونوں پارٹیاں یہاں موجود ہیں۔ چاہیں تو ان کے خلاف آپ رپورٹ درج کرا دیں اور چاہیں تو مفاہمت کر لیں۔ مگر دونوں صورتوں میں ہمیں انفارم کرنا ضروری ہے۔"

پولیس آفیسر نے مداخلت کرتے ہوئے اپنی رائے دی تو بچے کا نوجوان چچا مشتعل ہو کر بولا۔

"ایسے کیسے مفاہمت کر لیں جناب! زندگیوں کی قیمت پر بھی کبھی سودے بازی ہوا کرتی ہے کیا؟"

"اینگری ینگ مین...! غلطی بھی انسان ہی سے ہوا کرتی ہے۔ ڈاکٹر زعیم نے آپ کو بتایا ہے ناکہ آپ کا بچہ خطرے سے باہر ہے... اور ویسے بھی جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ غلطی بچے کی ہے یا ڈرائیور کی تب تک آپ ان محترمہ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔"

اسعد نے اس کے کندھے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا تو وہ خاموش سا ہو کر بڑے بھائی کا چہرہ دیکھنے لگا۔

اسی وقت ایک نیا چہرہ ویٹنگ روم میں داخل ہوا سب ہی بے اختیار اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔



آنے والے ادھیڑ عمر شخص نے سب کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بڑے پُر اعتماد انداز میں اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر پولیس آفیسر کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"میں مس رومیلہ سہیل عباسی کا وکیل ہوں۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے ہاتھ میں تھامی فائل بھی پولیس آفیسر کی طرف بڑھا دی۔

"یہ رہے ضمانت قبل از گرفتاری کے پیپرز۔" زعیم نے یکلخت ہی اپنے شانوں پر سے کوئی بار ہٹتا محسوس کیا تھا۔

چچا جان نے نہ صرف رومیلہ کی ضمانت کروائی تھی بلکہ وکیل کے ذریعے زخمی ہونے والے بچے کے فی الوقت اور آئندہ علاج کے لیے ایک معقول رقم بھی اسپتال میں جمع کروا دی تھی۔ کچھ چچا جان کی اس مہربانی اور کچھ اپنے بچے کو ہوش میں بالکل خیریت سے دیکھ کر اس کا باپ اور چچا ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ پولیس والوں کی بھی "خاطر" کر دی گئی جس کے بعد سارے کا سارا معاملہ سمٹ کر ایک "اتفاقی حادثہ" بن گیا جو کبھی بھی کسی کے بھی ساتھ پیش آ سکتا ہے۔

اس کے ڈیوٹی آورز ختم ہو چکے تھے مگر اس سارے مسئلے کی وجہ سے وہ وہیں رکا ہوا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو رومیلہ بھی اس کے پیچھے آ گئی۔

"آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر پاپا کو فون کیوں کیا؟"

وہ ناراض لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ رک کر غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیونکہ تمہارا دوست تو اس کنڈیشن میں تھا نہیں کہ آ کر تمہیں چھڑا سکتا۔"

"آپ خود بھی میری ضمانت کرا سکتے تھے۔ میں ممی پاپا کی ہیلپ نہیں لینا چاہتی تھی۔"

وہ قدرے مدھم پڑ گئی تھی۔ زعیم چڑ گیا۔

"تو آپ رومیلہ! اب گھر جاؤ تم۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔"

وہ امید بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں وہ انکار کرتے کرتے رہ گیا۔ بس عام سے انداز میں بولا۔

"میرے پاس کوئی گاڑی واڑی نہیں ہے۔"

وہ اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر اس کے ساتھ چلتی رہی۔ زعیم نے کوئی رکشہ یا ٹیکسی روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

"تم میری نہیں اپنے گھر والوں کی ناراضی کی فکر کرو۔"

قدرے توقف کے بعد مجبوراً زعیم کو بولنا ہی پڑا۔ حالانکہ اس وقت وہ اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ان سے پہلے کون سا راضی ہوں میں۔"

اس کے سلگتے ہوئے جواب نے زعیم کو گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

سرخ امبیر ائیڈری سے سجا سیاہ ٹیل باٹم اور شارٹ پہنے حسب عادت اس نے شانے پر سرخ و سیاہ اسکارف ڈال رکھا تھا۔ روئی ہوئی آنکھوں اور چہرے کے برعکس اس کا لب ولہجہ بہت متوازن تھا۔

جیسے کچھ دیر قبل کا واقعہ محض ایک خواب ہو۔ اس کے لیے کچھ اہمیت نہ رکھتا ہو اور یہی بات زعیم کو اس سے متنفر کر رہی تھی۔

"اہمیت اس بات کی نہیں ہوتی رومائی بی! بلکہ ہم کس سے ناراض ہیں۔ بلکہ اس بات کی ہوتی ہے کہ ہم سے کون کون ناراض ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جتا گیا۔

"بالکل صحیح پھر تو یہ بات انہیں بھی سوچنی چاہیے کہ میں ان سے کیوں ناراض ہوں۔"

"تم بالکل..." وہ چڑ کر کہتے ہوئے لب بھینچ گیا پھر لمحہ بھر اسے دیکھنے کے بعد سر جھٹک کر ٹیکسی روکنے لگا۔

رومانے ٹیکسی والے کو مین روڈ پر ہی روک دیا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر کرایہ ادا کر کے نیچے اتر آیا۔ یہاں سے پانچ منٹ کی واک پر چچا جان کی شاندار کوٹھی ایستادہ تھی۔

"میں گھر نہیں جانا چاہتی۔"

اس کی نئی بات نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے سوچوں میں الجھے زعیم کو بھک سے اڑا دیا۔

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟؟"

رات کے اس پہر جب اسے اپنے گھر میں خواب و خرگوش کے مزے لوٹنا چاہئیں تھے وہ سڑک پر ٹہلنے کے سے انداز میں چلتی کتنے مزے سے اپنے ارادے بلکہ "اپڈیٹس" بتا رہی تھی۔ اسے از حد غصہ آیا۔

"میرا دماغ نہیں بلکہ موڈ خراب ہے اور ویسے بھی میں گھر جاؤں گی تو نئے سرے سے فساد اٹھ کھڑا ہو گا۔ آج میرے برتھ ڈے کا فنکشن تھا۔" وہ بڑے آرام سے کہہ رہی تھی۔

"آج تمہارا برتھ ڈے تھا... اور تم یہاں..." اس کے انداز میں حیرت کے ساتھ ساتھ بے یقینی بھی اتر آئی تھی۔ مگر روما کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

زعیم کو یاد آیا چچی جان نے بطور خاص اسے روما کے برتھ ڈے پر انوائٹ کیا تھا اور اس سلسلے میں ہونے والے شاندار انتظامات کی تفصیل بھی اٹھتے بیٹھتے اس کے کانوں میں پڑتی رہی تھیں اور یہاں رومائی بی تھانے کچہری کے چکروں میں پڑی ہوئی تھیں۔

"میں نے ممی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ میرا برتھ ڈے سیلیبریٹ نہ کریں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ میں اس میں شریک نہیں ہوں گی۔"

"ماں باپ کی عزت بھی کوئی چیز ہوتی ہے رومیا عباسی! تم نے تو اس کا بھی خیال نہیں کیا۔"

زعیم کے سلگتے ہوئے لہجے کے جواب میں وہ بڑے عام سے انداز میں بولی۔

"آپ اس بات کی فکر مت کریں۔ کیونکہ ان لوگوں نے بھی کبھی پروا نہیں کی سوائے اپنے اسٹیٹس اور بزنس کی فکر کے انہیں کبھی کسی بات نے ٹینشن نہیں دی۔"

"اسٹیٹس بھی عزت ہی کے بل بوتے پر بنا کرتا ہے۔"

زعیم نے سختی سے اس پر باور کرانا چاہا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کے ہاں بنتا ہو گا۔ ہمارے ہاں تو بینک اکاؤنٹ، شیئرز اور پراپرٹی کاؤنٹ ہوتی ہے۔ عزت کا نمبر تو پتا نہیں کون سے نمبر پر آتا ہے۔"

"بہرحال آج تمہیں ہر حال میں اپنے گھر پر ہونا چاہیے تھا۔ میں یہ سب کہنے کا حق تو نہیں رکھتا مگر جتنی ہیلپ تمہاری کر چکا ہوں اس کے بدلے میں اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"آپ کچھ نہیں جانتے زعیم...!" وہ رسان سے کہنے لگی تھی کہ زعیم درشت لہجے میں اس کی بات کاٹ گیا۔

"تم مجھے بھائی نہیں کہہ سکتیں؟ بہت بڑا ہوں میں تم سے۔"

وہ ایک دم چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ جو ڈارک گرے پینٹ پر وائٹ شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے سیاہ آنکھوں میں خفگی اور چہرے پر بے زاری کا تاثر سجائے ہوئے تھا۔

وہ اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر گھر کی طرف چلنے لگی۔ زعیم کو اس کی حرکت بہت بری لگی تھی۔ تب ہی گھر پہنچنے تک وہ لب بھینچے ناک کی سیدھ میں دیکھ کر چلتا رہا۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا تو وہ دونوں اندر چلے آئے۔ لان کی حالت دیکھ کر صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں کسی بڑے فنکشن کی تیاریاں کی گئی تھیں۔ زعیم نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی جس کی سوئیاں اس وقت رات کے پونے دو بجا رہی تھیں۔ اسے اندازہ تو تھا کہ روما کی اس

حرکت پر چچا جان اور چچی جان بہت سیخ پا ہوں گے مگر چچی جان نے تو اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی۔

زعیم ان کے معاملے میں پڑے بغیر خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کتنی ہی دیر تک وہ ماں، باپ اور بیٹی کے مکالمے سنتا رہا تھا۔ پھر نیند آنے تک وہ ہوسٹل میں شفٹ ہونے کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اسعد کے ساتھ بیٹھا ایک مریضہ کا اینڈکس کیس ڈسکس کر رہا تھا جب ڈاکٹر سلویٰ بھی وہاں آ گئی۔

"السلام علیکم....." اس کے خوشگوار سے انداز کا ان دونوں نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔

"کیا بحث ہو رہی ہے چائے کے کپ پر؟"

وہ کرسی گھسیٹتی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اسعد معنی خیز انداز میں زعیم کی طرف دیکھتے ہوئے کھنکارا پھر بولا۔

"میں چلتا ہوں۔ مجھے ایک مریض کا کیس اسٹڈی کرنا ہے۔"

اس کے انداز اور اشارے کو سمجھتے ہوئے زعیم جز بز ہو کر اسے گھورنے لگا۔ جبکہ سلویٰ نے بھی اس کے انداز کو محسوس کرتے ہوئے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"یہ بیٹھے بیٹھے اچانک اتنا سیریس مریض کہاں سے آ گیا تمہارا؟"

"ابھی آ جاتا ہوں، تم لوگ بیٹھ کر گپ شپ لگاؤ۔"

وہ اسے ٹالتے ہوئے چلا گیا تھا۔

"ہاں جی۔ اب بتائیں کس مسئلے پر اتنے زور و شور سے بحث ہو رہی تھی؟" ڈاکٹر سلویٰ کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ واقعی گپ شپ کے موڈ میں ہے۔

"دل کے مسئلے پر۔" وہ بے اختیار کہہ گیا، پھر خفیف سا ہو کر اسے دیکھنے لگا جو بڑی دلچسپی سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

"کیا کوئی دل کا مریض ہے؟ مگر اس سے آپ لوگوں کا کیا تعلق؟"

"یہ وہ والا دل کا مریض نہیں بلکہ عارضی مرض ہے اور جس کی دوا بھی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہوتی۔"

اب موضوع شروع ہو ہی گیا تھا تو زعیم نے بھی محتاط انداز میں اسعد کے پلان کو آگے بڑھایا۔

"اوہ....." ڈاکٹر سلویٰ کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مریض کون ہے بائی داوے؟"

"ابھی تو آپ صرف مرض کی بات کریں۔ مریض تو دوسرا بندہ ہے یہاں۔"

وہ بڑے خوشگوار انداز میں بات کر رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اسعد اور عمر کو کوس کر رہ گیا۔ جن کی وجہ سے وہ میڈیکل سے بھی زیادہ مشکل امتحان میں آ پڑا تھا۔

"میرے خیال میں پہلے آپ کے لیے چائے منگوا لی جائے یہ بحث تو چلتی رہے گی۔" زعیم نے فی الوقت اسے ٹالا۔ وہ شانے اچکا کر رہ گئی۔

اسپتال کی طرف سے رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا تھا اسی لیے وہ آج واپس لوٹتے ہی اپنا سوٹ کیس پیک کرنے لگا۔ دروازہ کھٹکھٹائے جانے پر وہ شیونگ کا سامان سمیٹ کر واش روم سے باہر نکل آیا۔

"آ جائیں۔" وہ منتظر نظروں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رومیا کی شکل دیکھ کر گہری سانس لیتا سوٹ کیس میں چیزیں رکھنے لگا۔ اسے غیر متوقع طور پر پیکنگ میں مصروف دیکھ کر وہ تیزی سے اندر آئی۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"اسپتال کی طرف سے میری رہائش کنفرم ہو گئی ہے۔" وہ مختصراً کہتا کمرے میں نظریں دوڑا رہا تھا۔

"لیکن کیوں.....؟ آپ یہاں رہ تو رہے ہیں۔" وہ یک لخت ہی بے چین ہو گئی۔

"ہمیشہ کے لیے تو نہیں رہ سکتا نا۔ مسئلہ حل ہو گیا تو اب جانا پڑے گا۔" بے تاثر سے انداز میں کہتے ہوئے وہ کارنر ریک پر سے اپنی تصویر اٹھانے کے لیے بڑھا تو اس سے پہلے رومیا نے آگے بڑھ کر اس کی فریم شدہ تصویر اٹھا لی۔ وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کہیں نہیں جائیں گے۔"

زعیم نے اس کے چہرے پر شرارت یا مذاق کا تاثر ڈھونڈنا چاہا۔ مگر وہ بالکل سنجیدہ اور قدرے متوحش سی تھی۔

"میں نے کہا نا رومیا! میرا جانا طے تھا اور پھر یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" اس نے کہتے ہوئے اپنی تصویر لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لیے۔

"یہ تو آپ کہتے ہیں نا۔ آپ کا جانا میرا ہی مسئلہ ہے

آپ نہیں رہیں گے۔"

وہ ضدیلے پن سے کہتی ہوئی زعیم کو پریشان کرنے لگی۔ اس پر مستزاد اس کی آنکھوں سے چھلکتے آنسو۔ زعیم نے چند سیکنڈز اس کی جانب دیکھنے کے بعد اس کا بازو تھام کر اسے اپنے بستر پر بٹھادیا اور خود کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے آبیٹھا۔

"کیا مسئلہ ہے رومیا.....؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اور جواب میں وہ اتنی بری طرح سے رو دے گی یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"بس کرو رومیا! اس طرح نا صرف تم پریشان ہو بلکہ مجھے بھی پریشان کررہی ہو۔"

اس کے لب و لہجے سے بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔

غیر متوقع طور پر اس نے زعیم کی بات سن کر آستین سے آنسو صاف کرلیے تو اسے بھی قدرے سکون ہوا۔

"اب بتاؤ کیا پریشانی ہے؟"

"پہلے آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ کہیں نہیں جائیں گے۔" زعیم نے دیکھا رونے سے اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی اتر آئی تھی۔

"تم مجھے اپنا مسئلہ بتاؤ رومیا!"

"یہی میرا مسئلہ ہے کہ آپ یہاں سے جا رہے ہیں وہ بھی میری وجہ سے۔" ایک آنسو پھر سے باغی ہو کر اس کے رخسار پر آن اٹکا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے رومیا! میں تمہاری یا کسی کی بھی وجہ سے یہاں سے نہیں جا رہا۔ یہ تو طے تھا کہ رہائش کا مسئلہ حل ہوتے ہی میں یہاں سے شفٹ کر جاؤں گا۔"

قدرے توقف کے بعد وہ بے حد رسان سے بولا تو وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے پر تیقن انداز میں کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں، میری وجہ سے آپ کو سب کے سامنے اتنی شرمندگی اٹھانا پڑی، میں وہاں پاپا کو بھی بلا سکتی تھی۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ وہاں سب کے بیچوں بیچ مجھے آپ کو کزن بتاتے ہوئے آپ کو کتنا غصہ آیا ہوگا۔ آپ نے کتنی شرمندگی محسوس کی ہوگی۔"

وہ سچ کہہ رہی تھی مگر زعیم یہ بات اپنے منہ سے کبھی نہیں کہہ سکتا تھا۔

"وہ قصہ تو اس رات کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تھا اور پھر تم چاہے وہاں کسی کے سامنے میرا نام نہ بھی لیتیں تو بھی میرے کولیگز جانتے تھے کہ میں چچا جان کے پاس ٹھہرا ہوا ہوں۔ تم ان کا نام بھی لیتیں تو سب کو ہمارے رشتے کا علم ہو جاتا اور سب سے بڑھ کے یہ کہ میں تمہیں اتنی بڑی مشکل میں مبتلا دیکھ کر کبھی بھی انجان بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ شرمندگی یا غصہ بہرحال ایک الگ چیز ہے۔"

وہ اب بھی اسی اطمینان سے بات کر رہا تھا۔ جو اس کی طبیعت کا خاصا تھا۔

"تو پھر آپ مت جائیں نا۔" وہ اسی جذباتیت سے بولی تو زعیم گہری سانس بھرتا سیدھا ہو بیٹھا، پھر سنجیدگی سے بولا۔

"دیکھو رومیا! مجھے بار بار ایک ہی بات کو دہرانا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ مگر میں کسی صورت بھی یہاں نہیں رک سکتا۔ ہاں میں یہ مانتا ہوں کہ یہاں کا ماحول مجھے سوٹ نہیں کیا۔ مگر بہرحال میرے جانے کی صرف یہی وجہ نہیں ہے۔ وہ بھی ہے جو میں بتا رہا ہوں۔ میری رہائش کا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔"

وہ اب اپنے اسکارف سے اس کی تصویر صاف کر رہی تھی۔ پتہ نہیں اس نے زعیم کی بات سنی بھی تھی کہ نہیں۔ زعیم خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس نے تصویر صاف کر کے زعیم کی طرف بڑھائی۔ اس نے تصویر تھامی اور رومیا نے اس کا ہاتھ۔

"کیا آپ میرے کہنے سے بھی نہیں رکیں گے؟" وہ بڑے آس بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس کے اصرار پر جی بھر کر حیران ہوتا اور پھر سرد مہری سے انکار بھی کر دیتا۔

مگر اس وقت اس کی نظر رومیا کے داہنے ہاتھ پر جمی تھی۔ جس سے وہ زعیم کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

مخروطی انگلیوں والا خوب صورت ہاتھ نفاست سے تراشے ہوئے سلور کلر کی کیوٹکس سے سجے ناخن۔

ابھی چند ثانیے پہلے جب وہ اس کی طرف جھک کر بیٹھا بات کر رہا تھا۔ تب بھی ایک مانوس سی خوشبو نے اس کی قوت شامہ کو چونکایا تھا۔ مگر وہ اس احساس کو اپنا وہم سمجھ کر جھٹک گیا تھا۔

اس نے اپنی تصویر بستر پر رکھتے ہوئے رومیا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

چند لمحوں تک وہ بغور اس کے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا تھا۔ پھر رومیا کی طرف متوجہ ہوا۔

وہ شاید زعیم سے اس حرکت بلکہ اس قدر بے تکلفی کی

توقع نہیں کر رہی تھی اسی لیے قدرے حیران سی تھی۔
زعیم نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"دیکھو رومیا! جانا تو مجھے بہرحال پڑے گا۔ اتنے دنوں تک میں یہاں رہا تو اس کی سب سے بڑی وجہ اماں کی تاکید اور بہرحال رہائش کا مسئلہ بھی تھا۔ میں یہاں بن بلایا مہمان بن کر ٹھہرنا پسند نہیں کرتا۔ مجھے پتہ ہے کہ یہاں کسی کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر خود میں اپنی طبیعت پر جبر نہیں کر سکتا....." وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔
"مگر اسے لاتعلقی کی ہے۔ تم جب جی چاہے مجھ سے مل سکتی ہو۔ اپنی ہر پرابلم ڈسکس کر سکتی ہو۔ آج سے ہم بہت اچھے دوست ہیں۔"
کہتے ہوئے زعیم نے داہنا ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے ایک نظر اس کے مضبوط مردانہ ہاتھ کو دیکھتے ہوئے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔



"تم اس قدر سست آدمی ہو زعیم! کہ اگر کبھی تمہیں اپنی محبوبہ سے اظہار عشق کرنا پڑے تو جب تک تم اس سے اپنی دل کی بات کہو گے' وہ تین بچوں کی اماں بن چکی ہو گی۔" اسعد سخت جھنجلایا ہوا تھا۔
"وہ بھی کسی اور کے....." عمر نے لقمہ دیا۔
"میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ میری لائن نہیں ہے۔" زعیم ہر وقت اس معاملے میں الگ ہونے کو تیار تھا۔
"تمہیں کون سا خود کے لیے اظہار محبت کرنا ہے۔ بس اس سے میرے متعلق پوچھو میں اسے کیسا لگتا ہوں۔"
اسعد نے دانت پیسے تھے۔
"یہ تو بے چارہ پوچھ ہی لے گا مگر پھر تمہیں جواب بتاتے وقت اسے بہت شرمندگی ہو گی۔" عمر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ تو زعیم سنجیدگی سے بولا۔
"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"
"بکو مت اور فوراً" اس کام کو نمٹاؤ۔"
"دیکھتا ہوں یار! کہیں جوتے ہی نہ پڑوا دینا۔" زعیم نے تفکر آمیز انداز میں کہا تو وہ روہانسا ہو گیا۔
"تم بس جوتوں کے خوف سے میری شادی کینسل کروا دینا۔ اتنی دیر میں تو وہ کہیں اور منگنی کروا لے گی۔"
"حوصلہ رکھو میرے یار! دنیا میں لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہے۔" عمر نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا جسے اسعد نے فوراً" جھٹک دیا۔
"مگر ان میں کوئی بھی ڈاکٹر سلویٰ ملک نہیں ہے۔"
"اوکے ریلیکس میں بات کرتا ہوں اس سے۔" زعیم فوراً" سنجیدہ ہو گیا تھا۔ تب کہیں جا کر اسعد کو سکون آیا تھا۔
"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ اگر کوئی ایمرجنسی ہوئی تو میرے موبائل پر کال کر لینا۔"
کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر پڑتے ہی زعیم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
وہ تیز قدموں سے پتھریلی روش پر چلتا اسپتال کے بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا جب اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر نگاہ ڈالی تو رومیا کا میسج آ رہا تھا۔
"میں اسپتال کے باہر پارکنگ لاٹ میں آپ کی بائیک کے پاس کھڑی ہوں۔"
ایک ثانیے کو لب بھینچنے کے بعد وہ ہلکے سے مسکرا کر اسپتال سے باہر نکلا تو واقعی وہ پارکنگ لاٹ میں موجود تھی۔ اسے دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگی۔
"کیسی ہو؟" وہ دوستانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بتائیں تین دن ہو گئے ہیں آپ کو ہوسٹل میں شفٹ ہوئے اور ایک بار بھی گھر نہیں آئے۔"
وہ شکایتی انداز میں بولی تھی۔
"سیٹل ہونے میں تھوڑا ٹائم تو لگتا ہے نا۔ اب دیکھو جوں ہی فارغ ہوا فوراً" تمہیں یاد کر لیا۔"
وہ اپنی بائیک نکالتے ہوئے اسے بہلانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس نے جواباً" کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر لبوں کو بھینچ گئی۔
"کبھی موٹر سائیکل پر بیٹھی ہو؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ رومیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"اونہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ اسے اپنے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
"تو چلو آج اس ایڈونچر کا مزہ بھی لے لو۔"
"واؤ نائس....." وہ بنا ہچکچائے اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔
"پوچھو گی نہیں کہاں لے کے جا رہا ہوں؟" زعیم نے چہرہ موڑ کر پوچھا تو وہ اطمینان سے بولی۔
"مجھے آپ پر اتنا ہی بھروسا ہے جتنا کہ خود پر۔" اس کے

[illegible]
ساتھ موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا۔
راستے میں اس نے رک کر فلاور شاپ سے رومیا کی پسند کے سفید اور گلابی پھولوں کے بوکے لیا۔
"کہیں جانا ہے آپ کو......؟" وہ کاؤنٹر پے منٹ کر کے پلٹا تو وہ بوکے ہاتھوں میں لیے پوچھنے لگی۔
"ہم دونوں کہیں جا رہے ہیں۔" وہ مسکراتا ہوا اسے ساتھ لیے باہر نکل آیا۔ اور چاہے کچھ بھی تھا زعیم کا یہ دوستانہ سا انداز رومیا کو بہت اچھا لگ رہا تھا۔
وہ اسے لیے ایک ریسٹورنٹ میں چلا آیا۔
"تم یہاں بیٹھو میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" اسے ٹیبل تک پہنچا کر وہ خود کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ چند منٹ میں وہ واپس آگیا۔
"کیا بات ہے اتنے پراسرار کیوں ہو رہے ہیں آپ؟" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ موبائل اور کی چین میز پر رکھتا ہنس دیا۔
"ایسا کچھ نہیں ہے...... تم بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں؟"
"آپ ان کی بات مجھ سے مت کریں۔ میں ان لوگوں سے بات نہیں کرتی۔" وہ یک لخت ہی سنجیدہ ہو گئی۔ زعیم نے فوراً اسے ٹوک دیا۔
"بری بات ہے رومیا!"
"آپ کچھ نہیں جانتے۔" وہ تردیدی پن سے بولی تو زعیم نے کہا۔
"میں تم سے سب کچھ پوچھوں گا مگر فی الحال اپنا موڈ ٹھیک رکھو۔ میں تم سے دوستی کرتے ہوئے پہلے ایک وعدہ لوں گا۔"
"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ اب ہم دوست ہیں۔" وہ اسے یاددہانی کرا رہی تھی۔
"اچھی دوست کے لیے بھی ایک حلف لینا بہت ضروری ہوتا ہے۔" زعیم نے کہا تو وہ بولی۔
"اوکے لے لیں وعدہ۔ میں آپ کی ہر بات مان سکتی ہوں۔"
"تو پھر تمہیں مجھ سے دوستی کرنے کے لیے اپنے تمام نام نہاد فرینڈز کو ہمیشہ کے لیے گڈبائے کہنا ہوگا۔"
زعیم نے اس کے چہرے کو نظر کی گرفت میں لیتے ہوئے اٹل انداز میں کہا تو وہ ایک لمحہ بھی سوچے بغیر بولی۔
"کہہ دیا۔"

[illegible]
"میرا آرڈر لے آئیں۔" اس نے ویٹر کو کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ فریش کریم اینڈ چاکلیٹ کیک کے ساتھ ان کی میز پر موجود تھا۔
زعیم نے کیک پر موجود واحد کینڈل روشن کر دی۔
وہ ساکت بیٹھی کیک کی سطح پر ہیپی برتھ ڈے رومیا کے الفاظ پڑھ رہی تھی۔
"اگرچہ تمہارا برتھ ڈے ایک ہفتہ پرانا ہو چکا ہے۔ مگر میں تاوان بھر رہا ہوں اس میں شریک نہ ہونے کا۔"
وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی پلکیں نم ہونے لگیں تو وہ یونہی چہرہ موڑ کر ریسٹورنٹ میں موجود لوگوں کو دیکھنے لگی۔ جو اپنی میزوں پر اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔
"کم آن رومیا! اچھا یہ بوکے تو لو۔ یہ میں نے خاص طور پر تمہارے لیے لیا ہے۔"
وہ اس کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ پھولوں کا بوکے اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"آپ مجھ پر ترس کھا رہے ہیں۔"
"میرے کس عمل سے تمہیں یہ بات محسوس ہوئی ہے؟" وہ جھکا۔ دونوں بازو میز کی سطح پر ٹکاتے ہوئے بڑے سکون سے پوچھ رہا تھا۔
"تو پھر یہ سب؟"
"یہ سب دوستی کے تقاضے ہیں۔ مگر تم نے چونکہ کبھی اس اچھی دوستی کا مزہ نہیں چکھا اس لیے تمہیں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔"
وہ قدرے مسکرایا تو لحظہ بھر اسے دیکھتے رہنے کے بعد رومیا نے آہستگی سے کہا۔
"شاید......"
اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے نرمی سے بولا۔
"یہ ایک بہترین دوستی کی شروعات ہے رومیا۔"
"ہوں......" مبہم سے انداز میں کہتے ہوئے وہ کھل کر مسکرا دی۔
"مگر آپ مجھے روی کہیں گے تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔"
"اوکے...... اب کیک کاٹو روی! کیونکہ مجھے بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔ اس کے بعد ہم ایک اچھا سا ڈنر

کریں گے۔"

زعیم نے بے تکلفی سے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔



"محبت میرے نزدیک ایک دوسرے کے دل میں بسنے کا نام ہے۔ جو زبان زد عام ہو جائے وہ نرا دکھاوا ہوتا ہے۔"

سلویٰ ملک نے بڑے اطمینان کے ساتھ اظہار خیال کیا تھا۔ زعیم کو اپنے تمام "یادشدہ" ڈائیلاگ بھک سے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔

اس ٹاپک کو چھیڑتے ہوئے اسے اگر ذرہ برابر بھی احساس ہوتا کہ محبت کے معاملے میں سلویٰ ملک کی سوچ اس قدر پختہ ہے تو وہ کان دبا کر اپنی راہ لیتا۔ مگر اب جبکہ اسعد کی قسمت سے یہ موضوع چھڑ ہی چکا تھا تو اسے آئیں بائیں شائیں کر کے پلٹنا بالکل بھی دانش مندی نہیں تھی۔

"مگر یہ محبوب کے ساتھ انصاف تو نہیں کہ وہ بے چارہ آپ کے دل کی جاننے ہی میں عمر بتا دے۔"

زعیم کا انداز پر احتجاج تھا۔ سلویٰ ملک کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی تھی۔

"تو پھر وہ محبوب ہی نہیں جو آپ کی آنکھوں سے دل کا حال نہ جان سکے۔"

اس کے کہنے پر زعیم نے اس کی طرف دیکھا وہ کھل کر مسکرا رہی تھی۔ جس سے اس کی صاف رنگت مزید چمک اٹھی تھی۔

"آج کل اتنی فرصت کسے ہے کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے وقت ضائع کرتا رہے۔ کمپیوٹر اور موبائل فون کا زمانہ ہے یار!"

وہ بے ساختہ ہی بول اٹھا تو اس کے دوستانہ انداز نے سلویٰ کو بہت محظوظ کیا جبکہ زعیم خجل سا ہو گیا۔

"تو پھر میں فرینکلی پوچھ سکتا ہوں کہ لڑکیاں کس طریقے سے اظہار محبت پسند کرتی ہیں......"

"تمہیں کسی سے محبت تو نہیں ہو گئی زعیم......؟"

اس نے بے ساختہ کرسی کی پشت چھوڑ کر سیدھے ہوتے ہوئے بے یقینی سے پوچھا تو لمحہ بھر کو وہ گڑبڑا ہی تو گیا۔

پھر سنبھلتے ہوئے خفیف سے شانے اچکا کر بولا۔

"اس میں ایسی عجیب کیا بات ہے۔ ہونے والا کام تو کبھی بھی ہو سکتا ہے۔ ہر کام کبھی نہ کبھی پہلی بار ہوتا ہے۔"

"محبت کام نہیں ہے مسٹر زعیم......" وہ اسے ٹوک گئی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا......؟" زعیم نے کسی کھوج میں اس کی نظروں کو اپنی نظر کی گرفت میں لیا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"اگر یہ کام ہوتی تو ہر کوئی اسے کرنے کی کوشش کرتا مگر یہ ہو جاتی ہے۔"

"یعنی جیسے فلو ہو گیا۔"

وہ مذاق اڑاتے جا رہا تھا۔ مگر وہ سنجیدگی سے بولی۔

"ہاں...... یہ بیماری ہی ہے۔ اس کے بھی بہت سے علاج ڈھونڈے جاتے ہیں۔"

وہ اس قدر "ڈاکٹرانہ" جواب پر دل ہی دل میں کراہ کر رہ گیا۔

"اور اگر تم...... میرا مطلب ہے کہ ایسی سچویشن کا سامنا تمہیں کرنا پڑے تو؟"

سلویٰ ملک کا دل بے ترتیبی سے دھڑکا تھا۔

اب تک زعیم اور لیس کو بے تکلفانہ انداز سے دیکھتی آنکھوں نے فوراً ہی اپنا زاویہ نظر بدل لیا۔

"تو اظہار کرنے والے پر منحصر ہے۔ میرا کام تو ری ایکٹ کرنا ہے۔"

"یعنی جوتے بھی پڑ سکتے ہیں......"

وہ بے ساختہ بولا تو اسے ہنسی آگئی۔

بعد میں زعیم نے یہ ساری گفتگو من و عن اسعد کو سنا دی۔ تو وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

"کتنی اوکھی جگہ متھا لگایا ہے میں نے۔"

"اٹس ویری سمپل یار۔ کوئی گفٹ بھجوا دے اسے۔ کوئی پھول کوئی ڈنر۔ نرا دل کا حال جاننے سے لڑکی تھوڑا پٹتی ہے۔"

عمر نے منٹوں میں حل پیش کر دیا تھا اور اسعد خوش ہو گیا۔

"ہاں اس نے کہا ہے کہ جوتوں کا امکان نہیں ہے۔ اس لیے تم ہیلمٹ پہنے بغیر اس سے اظہار محبت کر سکتے ہو۔"

زعیم کی بات پر ان دونوں نے قہقہہ لگایا تھا۔



آج بہت دنوں کے بعد وہ چچا جان کے گھر آیا تھا۔

رہے تھے۔ چچی جان حسبِ سابق کسی میٹنگ یا پارٹی میں شرکت کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ جبکہ رومیا بی بی اپنے کمرے میں تھیں۔

وہ سب کی مصروفیت بتا کر یوں کھڑی تھی جیسے پوچھ رہی ہو ان میں سے کسے بلاؤں۔

"میں خود ہی مل لیتا ہوں۔"

زعیم کہتے ہوئے صوفے سے اٹھا تو وہ سر ہلاتی چلی گئی۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد وہ رومیا کے کمرے کی طرف بڑھا۔

"یس..... کم ان۔" دروازہ کھٹکھٹانے پر اس کی بہت مگن سی آواز آئی تو وہ ناب گھما کر دروازہ کھولتا اندر داخل ہو گیا۔

مگر یہ اندر داخل ہونا اسے اتنا مہنگا پڑے گا یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

سلک کے سیاہ ٹراؤزر اور بغیر آستین کی اسکن ٹائٹ سیاہ ہی شرٹ میں ملبوس سامنے اپنے بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹی وہ ٹی وی اسکرین کی جانب متوجہ تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے بھی ابھی اس کی صبح نہیں ہوئی تھی۔

زعیم کا چہرہ مارے خجالت کے سرخ پڑ گیا۔ وہ وہیں سے واپس پلٹا تو وہ جو زعیم کو دیکھ کر بے طرح خوش ہوئی تھی۔ تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے لپکی۔

"واٹ اے سرپرائز..... آپ آئے ہیں۔ میں سمجھی ملازمہ ہوگی۔ آئیں بیٹھیں نا۔"

وہ اس کا بازو کہنی سے دبوچے بڑی خوشی سے کہہ رہی تھی۔

"میں لاؤنج میں بیٹھتا ہوں تم چینج کر کے آؤ۔" وہ بمشکل کہہ پایا تھا۔

"اونوہ۔ آئیں تو سہی پہلی بار میرے روم میں آئے ہیں۔" وہ بصد اصرار بولی اور زعیم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تمہیں بلانے آیا تھا تمہارے روم میں بیٹھنے کے لیے نہیں۔ میں باہر موجود ہوں تم چینج کر کے آؤ۔"

اس کے انداز پر وہ خاموش سی ہو گئی۔

زعیم وہیں سے واپس پلٹ آیا۔

اگلے دس منٹوں میں وہ ہاتھ منہ دھوئے کپڑے تبدیل

دیکھتے ہوئے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔

فیروزی اور پرپل ایمبرائیڈڈ ٹراؤزر اور شرٹ کے ساتھ وہ دوپٹہ بھی اوڑھے ہوئے تھی۔

"اتنی دیر سے اٹھتی ہو تم....."

"جلدی اٹھ کے کیا کرنا ہوتا ہے؟" وہ مسکراتی نگاہیں اس پر ٹکائے پوچھ رہی تھی۔

"جلدی اٹھیں تو کام بھی نکل آتے ہیں۔" زعیم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ معذرت کرتی اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ واپس آ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اتنے دن ہو گئے تھے آپ سے ملے۔ اگر آپ نے منع نہیں کیا ہوتا تو میں اسپتال آ جاتی۔"

وہ شکوہ کر رہی تھی۔ زعیم نے مسکراتے ہوئے جیسے اسے بہلایا۔

"آج تمہارا ایس ایم ایس ملا تو فوراً چلا آیا۔"

"آج نہیں یہ میسج میں نے پرسوں رات کو بھیجا تھا۔ یہ نہیں کہ آج آپ کا آف ڈے تھا اس لیے چلے آئے۔" وہ ناراضی دکھا رہی تھی۔

"اوفوہ اتنی شکایت۔"

"یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں نے پھپھو سے بھی آپ کی ڈھیروں شکایتیں کی ہیں۔" اس نے جیسے بھانڈا پھوڑا تو زعیم حیران ہوا۔

"اماں کا فون آیا تھا.....؟"

"نہیں میں نے خود کیا تھا فون مریم آپی سے بھی بات کی اور معظم سے بھی۔"

وہ بہت خوش تھی زعیم کو اچھا لگا۔

"اب کی بار آپ جائیں گے گھر تو میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ بڑے جوش سے بتا رہی تھی۔ زعیم مسکرا دیا۔

"ہاں ضرور۔ مگر ملتان کی گرمی شاید تم سے برداشت نہ ہو۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہو جائے گی برداشت۔"

وہ بڑے جذب کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اماں تم لوگوں کو بہت یاد کرتی ہیں۔ مریم اور معظم تو شاید بہت بچپن میں ملے ہوں گے تم سب سے۔"

"اور اس بات کا مجھے بہت افسوس ہے....." وہ واقعی

"تم نماز پڑھتی ہو کیا؟"

زعیم کا سوال بہت غیر متوقع تھا مگر وہ ہچکچائے یا شرمندہ ہوئے بغیر بولی۔

"نہیں میں شروع سے بورڈنگ میں رہی ہوں۔ کبھی کسی نے کہا ہی نہیں۔ اور مجھے آتی بھی نہیں۔"

"میں بہت زیادہ لیکچر بازی نہیں کروں گا۔ بس اتنا کہوں گا کہ نماز پڑھا کرو رومیا بہت سکون پاؤ گی۔ میں تو تمہیں نہیں سکھاؤں گا۔ مگر اس کا باقاعدہ بندوبست ضرور کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ مطمئن ہو گئی۔

ملازمہ چائے اور اسنیکس کی ٹرالی رکھ گئی تو وہ خود زعیم کے لیے چائے نکالنے لگی۔

"میں نے کبھی یہ سب کام نہیں کیے۔ اس لیے بتائیے گا۔ کتنا دودھ شکر.....؟"

وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"آج تم جیسی چائے بنا کر پلاؤ گی میں خوشی پی لوں گا۔"

"اور آئندہ.....؟"

"آئندہ بھی....." وہ بھی مسکرا دیا۔

اس نے چائے بنا کر کپ زعیم کی طرف بڑھایا تو کپ تھام کر زعیم نے تپائی پر رکھ دیا اور رومیا کا بڑھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"کیا میرے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں؟"

وہ شرارت سے بولی تو اس کے ہاتھوں کو بغور دیکھتا زعیم جھینپ گیا۔ مگر پھر سنبھلتے ہوئے بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر میں تمہارے ہاتھوں کو میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے دیکھ رہا تھا۔"

"اب مجھ پہ تو اپنی ڈاکٹری مت آزمائیں۔" وہ ہنسی پھر شرارت سے پوچھنے لگی۔

"ویسے میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے اب تک کتنی لڑکیوں کا ہاتھ پکڑ چکے ہیں؟"

"خدا کو مانو یار! تم پہلی ہو۔" وہ بے ساختہ بولا تو رومیا کا دل دھڑک اٹھا۔

"اور آخری بھی....."

وہ بھی بے اختیار بولی تو زعیم نے بنا سوچے سمجھے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو اب ہاتھ چھوڑ دیں۔"

ہاتھ چھوڑا جسے وہ غیر ارادی طور پر ابھی تک تھامے ہوئے تھا۔

"چائے پیجیے نا۔" رومیا نے کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"تھینکس....." اس نے کپ تھام لیا۔

کافی دیر گزر گئی زعیم نے نہ کوئی بات کی اور نہ ہی چائے کا گھونٹ بھرا۔

"یہ چائے میں نے نہیں بنائی آپ بے فکر ہو کے پی سکتے ہیں۔" وہ چونکا۔ پھر اسے دیکھتے ہوئے پرسوچ انداز میں بولا۔

"تمہارے نام کا مطلب ہے خوشی۔ خوش رہا کرو رومیا! تم یونہی اچھی لگتی ہو۔ ہنستی ہوئی۔"

زعیم کو نہیں پتا تھا کہ اس کے الفاظ مقابل کو کس خوش فہمی کا شکار بنا گئے ہیں۔



زعیم کو صبح تک اچھی طرح یاد تھا کہ آج وہ رومیا کو لنچ کرانے کا وعدہ کر چکا تھا۔ مگر دوپہر تک وہ ایمرجنسی کیسز نمٹانے کے بعد وہ تھک کر چور ہر بات بھلا بیٹھا۔

ڈاکٹرز روم میں سلویٰ ملک کو چائے کے ساتھ منتظر پا کر وہ حیران ہوا۔

"آج کچھ زیادہ ہی کام ہو گیا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"واقعی سرجری کو اسسٹ کرنا بہت دل گردے کا کام ہے؟"

وہ تھکا تھکا سا آرام دہ صوفے میں دھنس گیا۔

"جلدی سے چائے پیو۔ اس کے بعد ایک اچھا سا لنچ تمہارا منتظر ہے۔"

سلویٰ نے کہا تو وہ سیدھا ہوا۔

"یہ مہربانی کون کر رہا ہے؟"

"تم چلو گے تو پتا بھی چل جائے گا۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔ شانے جھٹکتے ہوئے اس نے اپنا چائے کا کپ تھام لیا۔

"تم نے بتایا نہیں زعیم! تم نے اس لڑکی کو اپنے دل کی بات بتائی یا نہیں؟"

کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد سلویٰ نے بے حد اچانک پوچھا تو چائے کا گھونٹ اس کے حلق میں اٹک گیا۔

"کون لڑکی.....؟"

"بہت بری بات ہے ڈاکٹر زعیم ......!" وہ منافقانہ انداز میں بولی تو زعیم خفیف سا ہو کر دل ہی دل میں اسعد کو کوس کر رہ گیا جس کی بدولت آج وہ اس نازک مرحلے میں اٹکا تھا۔ سلویٰ کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اب مجھ سے بھی چھپاؤ گے۔

"تم بتاؤ۔ یہ اسعد کیسا شخص ہے؟"

تیزی سے خود کو سنبھالتے ہوئے زعیم نے اس کے دل کی جاننا چاہی تو وہ بے ساختہ بولی۔

"ذرا فرسٹ کلاس۔"

"اسے میں تعریف سمجھوں یا خامی؟"

زعیم نے بڑے تحمل سے پوچھا تو وہ شانے اچکا کر لاپروائی سے بولی۔

"جب میں اس کے متعلق سیریس ہوئی تب ضرور بتاؤں گی۔"

"اسے بہت فکر رہتی ہے کہ لڑکیاں اس کے متعلق کیا سوچتی ہیں۔ اس لیے میں نے تم سے پوچھا ہے۔"

زعیم کسی بھی طور اس معاملے کو سائیڈ پر لگانے کے چکروں میں تھا۔

"تم بے فکر رہو۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو اس کے متعلق سوچتی ہیں۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔ زعیم گہری سانس بھرتا بڑی ہمدردی سے اسعد کے متعلق سوچنے لگا۔

چائے ختم کرتے ہی سلویٰ اسے بصد اصرار لنچ کے لیے ایک اچھے سے ریسٹورنٹ میں لے گئی۔

"یار! عمر اور اسعد ناراض ہوں گے۔ انہیں بھی ساتھ لے لو۔ آدھے گھنٹے کا آف ہے۔"

وہ کہتا رہا۔ مگر وہ اطمینان سے بولی۔

"ذرا راز کی بات ہے۔"

"پتہ بھی تو چلے ایسی کیا راز کی بات ہے؟" اپنی نشست سنبھالتے ہی وہ پر تجسس انداز میں پوچھنے لگا تو وہ بالوں میں ہاتھ چلاتی بشاشت سے ہنسی۔

"آج میرا برتھ ڈے ہے اور میں اس دن کو کسی بہت اچھے شخص کے ساتھ سلیبریٹ کرنا چاہ رہی تھی۔"

"اگر وہ دونوں سن لیں تو ان کو خاصا صدمہ پہنچے۔" زعیم بے ساختہ بولا تو وہ ہنسنے لگی۔

"ویسے تم تو سند یافتہ اچھی لڑکی ہو۔"

وہ شرارت سے بولا تو سلویٰ نے نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"یعنی جس کی تعریف اسعد کر دے وہ سند یافتہ ہی ہو سکتا ہے۔"

"اونہہ......!"

اس کی بات پر سلویٰ نے منہ بنایا۔

"اسے تو ہر دوسری لڑکی کو یہ سند جاری کرنے کی عادت ہے۔"

"مگر تم شاید پہلی لڑکی......"

وہ بے اختیار کہہ کر پھر اسے دیکھنے بھی لگا۔ وہ بغور اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ہو کن خیالوں میں زعیم؟"

اس کے انداز میں سنجیدگی تھی اور اس کے انداز ہی نے زعیم کو محتاط کر دیا۔

"میرے خیال میں ہمیں لنچ کا آرڈر دے دینا چاہیے۔"

"ہوں......" اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"ایکسکیوزمی۔ میں دو منٹ میں آیا۔" وہ کرسی کھسکا کر اٹھا معذرت خواہانہ لہجے میں کہتا کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو بلا ارادہ اسے دیکھے گئی۔

موبائل کے بجنے والی رنگ ٹون نے اسے چونکایا تو اس نے ایک نظر زعیم کے موبائل پر ڈالی جو میز کی سطح پر تھرتھرا رہا تھا۔

"شاید اسپتال میں کوئی ایمرجنسی ہے......"

اسے یونہی خیال سا گزرا تو مزید کچھ سوچے بغیر اس نے یونہی اس کا موبائل آن کر کے کان سے لگایا۔

"کہاں ہیں آپ......؟ پچھلے آدھے گھنٹے سے میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

بہت خوب صورت مگر خفا خفا سا نسوانی لب و لہجہ سلویٰ ملک کو دھچکا دے گیا۔

"ایک وعدہ کیا تھا جناب نے شاید بھول گئے۔ آج لنچ کرا رہے تھے مجھے۔"

"ایکسکیوزمی...... ابھی زعیم نہیں ہیں۔" سلویٰ نے بتایا۔ روبینہ نے گڑبڑا کر پوچھا۔

"آپ کون......؟"

جانے اس کا سوال زیادہ مشکل تھا یا وہ ابھی کچھ طے

نہیں کروائی تھی اسی لیے لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے موبائل آف کر دیا۔
چند لمحوں کے بعد زعیم اس کے مقابل تھا۔
سلویٰ نے اسے آنے والی کال کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ البتہ اس کا ذہن اس نسوانی لب و لہجے میں الجھا ہوا تھا۔
اور ابھی انہوں نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا کہ اس کی مسیج ٹون بول اٹھی۔
وہ اپنا موبائل چیک کر رہا تھا۔ سلویٰ نے کن انکھیوں سے دیکھا۔
"او نو......" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔
"کیا ہوا......؟" سلویٰ نے پوچھا۔ تو وہ کچھ سوچتے ہوئے متاسفانہ انداز میں بولا۔
"آج میری کسی کے ساتھ اپائنٹمنٹ تھی۔"
"اپائنٹمنٹ یا کمٹ منٹ؟" سلویٰ نے مذاقاً پوچھا۔
"جو بھی سمجھ لو۔" وہ بھی مسکرا دیا۔
"پھر اب......؟" وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
زعیم نے گہری سانس بھری۔
"پھر یہ کہ اب آرام سے کھانا کھایا جائے۔ اس لنچ کا ٹائم تو گزر ہی گیا ہے۔" وہ مطمئن سی سر ہلا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔



اتنی خیزاں گرتی پڑتی
ندی کنارے اتری ہے
اک انوکھا پیڑ کھڑا ہے
پیڑ نے رستہ روک لیا ہے
پگلی ندی حیران کھڑی ہے
جسم چرائے آنکھ جھکائے
دائیں بائیں دیکھ رہی ہے
جانے کب سے بانہیں کھولے
رستہ روکے پیڑ کھڑا ہے
جانے کب سے جسم چرائے آنکھ جھکائے
پگلی ندی حیران کھڑی ہے

اسے شاعری اچھی نہیں لگتی تھی کیونکہ اسے شاعری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔
مگر آج یونہی کتاب ہاتھ لگی تو ایک نظم نے دل کے تاروں کو بہت مدھر انداز میں چھیڑ دیا۔
وہ کتنی ہی دیر اس نظم کو گنگنانے والے انداز میں پڑھتی رہی۔
وہ کب سے زعیم کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ ادھر سے کوئی رسپانس نہیں آیا تو اس نے خود فون کر لیا۔ مگر دوسری طرف سے نسوانی آواز میں جواب سن کر وہ حیران رہ گئی۔
"ہو سکتا ہے کوئی ساتھی ڈاکٹر ہو۔"
فون بند کرنے کے بعد اس نے خود کو اس تاویل سے مطمئن کرنا چاہا۔
"ساتھی ڈاکٹر سے ایسے بے تکلفانہ روابط ہیں کہ وہ جب چاہے اس کی فون کالز اٹینڈ کر سکتی ہے؟" وہ خود سے الجھنے لگی۔
اور کافی دیر الٹی سیدھی سوچوں میں گم رہنے کے بعد جب وہ زعیم سے دل ہی دل میں خفا ہو کر گاڑی کی چابی لے نکلنے لگی تو ماما نے اسے آواز دے لی۔
"ہر وقت باہر جانے کے لیے پر تولتی رہتی ہو۔ کبھی ہمیں بھی ٹائم دے دیا کرو۔"
وہ طنز کر رہی تھیں۔
روما نے سلگتی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"یہ گلے شکوے تو ہمارے منہ سے اچھے لگتے ہیں۔ آپ نے تو بہت آزاد زندگی گزاری ہے ماما!" اس کا لہجہ بھی تلخی لیے ہوئے تھا۔
"تمہارا مزاج تو ہر وقت سوا نیزے پہ رہتا ہے۔ بیٹھو تو ضروری بات کرنی ہے تم سے۔" وہ ذرا مدھم پڑیں۔
"ذرا جلدی ماما! مجھے کہیں پہنچنا ہے۔" وہ صوفے پر ٹک گئی۔ انداز میں رکھائی واضح تھی۔
"تمہارے لیے ایک بہترین پرپوزل آیا ہے۔" وہ سیدھے سبھاؤ بولیں۔ روما چونکی۔ یہ اس کے لیے پہلا پرپوزل نہیں تھا۔
"پھر اب کیا خاص بات ہو گئی۔"
"تو......؟"
یک لخت ہی اس نے بے اعتنائی سے پوچھا تو وہ ٹھٹک گئیں۔ پھر قدرے خوشگوار موڈ میں بولیں۔
"پوچھو گی نہیں کہ یہ کس کا پرپوزل ہے جس کا میں تمہیں بطور خاص بتا رہی ہوں؟"
"نہیں......" روما سرد مہری سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی

تو انہیں غصہ آ گیا۔

"زندگی مذاق یا کھیل نہیں ہے روئما!"

"یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہتی ہوں کہ میری زندگی کوئی کھیل نہیں کہ جسے کوئی بھی کھیل لے۔ اپنی زندگی سے متعلق یہ اہم فیصلہ میں خود اپنی مرضی سے کروں گی۔"

وہ اٹل لہجے میں کہتی انہیں متحیر کر گئی۔

"تم ... تم اپنی مرضی سے شادی کرو گی؟"

"ہاں۔ مگر اسے ارینج آپ لوگ ہی کریں گے بے فکر رہیں۔" وہ مسکرا دی۔

اس کی مسکراہٹ میں طمانیت کا رنگ تھا۔

تب ہی خود کو قدرے مدھم کرتے ہوئے بولیں۔

"روی ڈارلنگ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ فاروق کپاڈیا کا رشتہ آیا ہے تمہارے لیے۔ پاگل ہے وہ تمہارے پیچھے۔"

"وہ ....." روئما کے ذہن میں پینتیس چالیس سالہ فاروق کپاڈیا گھوم گیا۔ وہ طنزیہ بولی۔

"جو پارٹی میں موجود ہر عورت کو گھورنے اور اس کے پیچھے پاگل ہونے کے خبط میں مبتلا ہے۔"

"مگر تمہارے لیے اس نے اپنا پرپوزل دیا ہے جو کسی اور کے لیے نہیں دیا۔"

ماما نے تحمل سے کہتے ہوئے جیسے اسے اس کی خوش قسمتی کا یقین دلایا تو روئما نے ناگواری سے کہا۔

"نفرت ہے مجھے ایسے لوگوں سے ماما! اور شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ وہ پچھلے تین سالوں میں دو بیویوں کو فارغ کر چکا ہے۔"

"سو واٹ ....؟ فارغ کر چکا ہے رکھ تو نہیں نا۔" وہ مطمئن تھیں۔

"اس موضوع کو چھوڑ دیں مما! خوامخواہ آپ کا یا میرا موڈ خراب ہو گا بلکہ اسے بھول جائیں۔ اگلے ہفتے تک فاروق کپاڈیا کسی اور کے پیچھے پاگل ہو رہا ہو گا۔" روئما نے حقیقت بیان کی۔

اب کی بار انہیں غصہ آ گیا۔

"تم اس بات کو مذاق میں مت لو۔ تم نہیں جانتیں کہ تمہارے انکار سے ہمارے بزنس کو ملنے والا فائدہ خسارے میں بدل جائے گا۔"

"میری قیمت لگا رہی ہیں آپ؟" وہ بھی غصے میں آ گئی۔

"اے تم جو بھی سمجھو پالا پوسا پڑھایا لکھایا ہے تمہیں ذرا سا فاصلہ نہیں دے سکتیں باپ کو۔"

"یہ آپ سے پاپا نے کہا ہے؟"

وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ اتنا کافی نہیں ہے کیا۔" انہوں نے جواباً کہا۔

"خدا کے لیے مما! بس کریں۔" وہ دفعتاً چیخ اٹھی۔

"اسٹیٹس پلس اسٹیٹس پلس بزنس پلس ناکام شادیاں ناکام زندگیاں۔ یہ بات آپ سمجھ کیوں نہیں جاتیں۔"

"تم زندگی کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔" وہ سرد مہری سے گویا ہوئیں۔ روئما بلند آواز میں ان کی بات کاٹ کر بولی۔

"یہ بھول ہے آپ کی مما! میں نے زندگی کو آپ سے زیادہ برتا ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک ماں باپ کی توجہ اور محبت کے لیے ترسی ہوں۔ گورنس کے ٹھنڈے سینے سے لگ کے ماں تا ڈھونڈتی رہی ہوں میں۔ پھر ہاسٹل کی زندگی ..... خود رو پودے کی طرح بڑھی ہوں میں اور بات کرتی ہیں آپ پالنے پوسنے کی یوں تو جانوروں کے بچے بھی پل جاتے ہیں۔"

وہ زہر خند ہو رہی تھی۔ اس کی ماما ہکا بکا اسے زہر اگلتا دیکھتی رہ گئیں۔



وہ گاڑی لیے اسپتال کے باہر زعیم کا انتظار کر رہی تھی اور پھر اس کی آنکھوں نے ایک ناپسندیدہ نظارہ دیکھا۔

وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ زعیم اپنی ڈیوٹی پر ہے اور اسپتال کے باہر انتظار کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ اس کو یہیں پکڑ لیتی۔ مگر ابھی اس کی موٹر سائیکل اسپتال کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو زعیم کے پیچھے بہت استحقاق سے سلوئی ملک کو بیٹھا دیکھ کر وہ دیکھتی ہی رہ گئی۔

زعیم کے شانے پہ ہاتھ رکھے اس سے بہت قریب۔

وہ گہری ہوتی شام سے بے نیاز سمندر کے کنارے سر پٹختی موجوں پہ چلتی خود فراموشی کی گرفت میں تھی۔ بار بار زعیم اور سلوئی کے ہنستے چہرے تصور کی اسکرین پر آ کر اسے ڈسٹرب کر رہے تھے۔

وہ تھک کر ریت پر بیٹھ گئی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ زعیم کو کب دل میں بسا بیٹھی تھی۔ بس کوئی لمحاتی طلسم۔

میرا نہیں ہے۔

اس حقیقت کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ مگر یہ حقیقت تھی۔

ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور ریت میں گم ہو گیا۔

اس نے ریت پہ اپنا اور زعیم کا نام لکھا۔ شاید یونہی قدرت ہم دونوں کا نام بھی اکٹھے.....

اس کے دل میں بہت شدت سے خواہش ابھری تو وہ اپنے اندر امڈتی رونے کی خواہش کو بمشکل دباتی گھٹنوں میں منہ دے کر بیٹھ گئی۔



زعیم' رومیا کے گھر آیا تو وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی اسپورٹس چینل پہ ورلڈ کپ کی جھلکیاں دیکھ رہی تھی۔

"یہ اس سال کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔"

زعیم نے اونچی آواز میں کہا پھر سلام کرتا اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ بڑی سنجیدگی سے سلام کا جواب دے کر پھر سے کرکٹ میچ میں محو ہونے کی اداکاری کرنے لگی کہ اس کے سامنے کسی اور چیز کو اہمیت دینے کو جی ہی کب چاہتا تھا مگر ابھی تو وہ اس سے بہت ناراض تھی۔

"پاکستانی ٹیم ہار کر ورلڈ کپ سے باہر ہو چکی ہے پھر تم کیا دیکھ رہی ہو؟"

زعیم کو اس کی خفگی میں مزہ آیا۔ وہ اس کی ناراضی اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"جو کھیل رہے ہیں' ان کو دیکھ رہی ہوں۔" وہ برجستہ بولی تو زعیم ہنسنے لگا۔

"یہ صحیح کہا تم نے۔ فائنل تک تو اصل کھیلنے والی ٹیمیں ہی رہ جاتی ہیں۔ گلی ڈنڈا کھیلنے والے جلد باہر ہو جاتے ہیں۔" اس بار وہ خاموشی سے میچ دیکھتی رہی۔

زعیم نے اسے تنگ کرنے کے لیے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کر دیا۔

"باقی کی تفصیل تمہیں میں بتا دیتا ہوں۔" شرارت سے کہا تو وہ خفگی سے اسے دیکھتی وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔ زعیم نے اسے روکنے کی خاطر اس کا ہاتھ تھاما اور اسے کھینچا۔ اب جانے وہ توازن برقرار نہیں رکھ پائی یا کیا۔ مگر سیدھی زعیم پر آ پڑی۔

وہ بہت جلدی سنبھل گئی تھی۔ مگر اسی کی دیر میں دل زیر و زبر الٹ پلٹ کر رہ گئی۔

"سوری....." زعیم شرمسار تھا۔

"میں تمہیں روکنا چاہ رہا تھا۔"

"اٹس او کے....." وہ دل میں چھپے جذبات کو چھپائے رکھنے کی خاطر سنجیدگی سے بولی تو زعیم مسکرا دیا۔

"ناراض ہو۔ گندے بچوں کی طرح۔"

"میں بچی نہیں ہوں۔" وہ تڑخ کر بولی۔

"اچھا منہ تو بالکل ویسے ہی بنا رکھا ہے۔" زعیم نے چھیڑنے والے انداز میں کہا تو وہ ناراض نظروں سے اسے دیکھتی صوفے پر گرنے کے سے انداز میں آ بیٹھی۔ زعیم اس کے یوں قریب آنے پر سنبھل کے بیٹھ گیا۔

"مجھے تو اس سے بھی برا منہ بنانا چاہیے تھا۔ یہ تو مروت میں کچھ اچھا ہی بنایا ہوا ہے۔"

رومیا نے خفگی سے کہا تو وہ بے ساختہ ہنس دیا اور اسی بے ساختگی سے رومیا بولی۔

"آپ ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے ہو۔"

"اوہو....." وہ جھینپ سا گیا۔

رومیا کو پھر سے یاد آیا کل وہ کسی اور کے ساتھ تھا۔ میں کیچ نائم ہے۔

"سوری۔ ایسے ہی کمنٹ پاس کر دیا میں نے۔ ہماری اب دوستی تو نہیں رہی نا!" وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی تو زعیم نے بمشکل ہنسی دبائی۔

"میں تم سے سوری کہنے ہی آیا تھا۔"

"آپ سے دوستی کے تقاضے تو نبھائے نہیں جاتے دوستی کیا نبھائی جائے گی۔" وہ اس کی بات پہ دھیان دیے بغیر بولی۔

"رئیلی ویری سوری رومیا! ایک ضروری کام آ گیا تھا۔ بس اسی وجہ سے۔"

اس کا دل دکھنے کے خیال سے زعیم نے مصلحتاً جھوٹ کا سہارا لیا۔ مگر اسے خبر نہ تھی کہ رومیا اسے اور سلوی ملک کو ساتھ ساتھ دیکھ چکی ہے ورنہ وہ کبھی بھی غلط بیانی کی کوشش نہ کرتا۔

اور واقعی رومیا تاسف سے اسے دیکھے گئی۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" اس نے پوچھا نہیں بلکہ یقین سے کہا۔ زعیم گڑبڑا گیا۔ بھوری کانچ جیسی

[illegible]
تھیں۔

"کیا مطلب ..... میں جھوٹا ہوں کیا؟" وہ سنبھلتے ہوئے مصنوعی خفگی سے بولا۔

"نہیں مگر اس وقت جھوٹ ضرور بول رہے ہیں۔" وہ اب بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا الہام ہوا ہے۔" زعیم اندر ہی اندر حیران تھا۔

"کہاں تھے آپ کل؟" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ زعیم نے کچھ محتاط سے الفاظ اکٹھے کیے۔

"بس یونہی کل ایک دوست کے ساتھ کھانے پہ نکل گیا۔ مگر یقین کرو اگر اس وقت مجھے ایک لمحے کو بھی تم سے کیا وعدہ یاد آجاتا تو میں ایسی غلطی کبھی نہیں کرتا۔" رومیہ کو اس کی غلط بیانی پر تاسف ہوا۔

"آپ نے میرے علاوہ بھی کسی لڑکی سے دوستی کی ہوئی ہے؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا تو وہ تذبذب کا شکار ہوا۔

"دوستی ..... تو نہیں۔ ہاں کولیگز ہیں میری۔ ان سے اچھی بات چیت ہے۔" سوچ کر کہا۔

اسے نہیں پتہ تھا کہ مقابل کن سوچوں کے صحرا میں نکل چکا ہے۔

"انہیں بھی لنچ کرایا ہوگا کبھی؟"

اب کی بار وہ چونکا۔

"کم آن رومیہ! سوری کہا نا میں نے۔" اسے بہلانے والے انداز میں کہا مگر وہ اسی ضدی لہجے میں بولی۔

"بتائیں نا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"مجھے پڑتا ہے۔" وہ جارحانہ انداز میں بولی۔ زعیم ٹھٹک گیا۔

اسے رومیہ کے انداز بہت بدلے بدلے سے محسوس ہو رہے تھے۔

"تمہیں فرق نہیں پڑنا چاہیے رومیہ! میری زندگی میں تمہاری ایک الگ جگہ ہے۔" اس کے ہونٹوں سے لفظ نکلے تھے یا اس نے کوئی سحر پھونکا تھا۔ رومیہ جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی۔

"بہرحال آپ کو اس کی پینالٹی تو دینا پڑے گی۔"

"او شیور۔" زعیم نے اس کا موڈ ٹھیک ہونے پر شکر ادا



"آئندہ کے متعلق کیا سوچا ہے تم نے؟" وہ اس بار کو یار لگا ہی دینا چاہتا تھا۔ اسعد کی روتی صورت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی تھی۔ چائے کے کپ پہ اس نے سلویٰ کا عندیہ لینا چاہا۔

"ارادے تو بہت نیک ہیں بس قسمت یاوری کر جائے۔" وہ میٹھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"قسمت کی تم فکر نہ کرو۔ مجھے یقین ہے تمہاری قسمت بہت اچھی لکھی گئی ہے۔" زعیم نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا جی یا مسٹری ہے؟" وہ بھی مسکرائی۔

"او نہوں کچھ اشارہ سا ہے۔" زعیم نے معنی خیزی سے کہا تو وہ بولی۔

"اوکے ..... چلو ذرا آزما لیتے ہیں۔ وہ کون ہے جو میرے لیے بنا ہے؟"

اس نے مسکراہٹ دبا کر یوں پوچھا جیسے کہ جواب سے اچھی طرح واقف ہو۔ زعیم نے اسے یقین دلایا۔

"وہ جو بھی ہے یقین مانو بہت بے صبری سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ بلکہ تمہاری نظر کرم کا منتظر ہے۔" سلویٰ کا دل چاہا وہ ہواؤں میں اڑنے لگے۔

سامنے بیٹھا یہ شخص اس نے نظر بھر کے دیکھا۔

پتہ نہیں واقعی اتنا پیارا ہے یا مجھ کو لگتا ہے۔

اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ پلکیں لرزنے لگیں۔

"تو اسے چاہیے کہ مجھ سے کہہ دے۔ اپنے دل کی ہر بات۔" اس کی رنگت تمتمانے لگی تھی۔

"گویا تمہاری طرف سے اجازت ہے؟" زعیم کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

سلویٰ نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو میں ابھی جا کر اس ڈفر کو یہ خوشخبری سناتا ہوں اور کہتا ہوں کہ فوراً اپنی اماں کو لے کر تمہارے ہاں پہنچے۔" وہ ہنستے ہوئے چائے کا کپ رکھ کے اٹھا۔

سلویٰ کو دھچکا لگا۔

"کون ..... کسے؟" منہ اٹھا کر تحیر سے اسے دیکھا۔

"اسعد ..... کب سے تمہاری راہ میں بیٹھا ہے۔ اب

کہیں جا کے تمہاری نظر پڑی ہے اس پر۔" وہ ہنس کے بولا۔

سلویٰ خالی الذہنی کیفیت میں اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کے باہر نکلنے لگا تو جب وہ ہذیانی انداز میں چیخ اٹھی۔

"زعیم...! رکو۔"

"کیا ہوا؟"

وہ متفکر سا پلٹا۔ اس کی اڑی رنگت اور عجیب سی کیفیت نے اسے پل بھر میں ٹھٹکا دیا۔ سلویٰ کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔

"وہ نہیں زعیم... اسعد نہیں۔"

"تو پھر کون؟" وہ متحیر تھا۔

"تم... صرف تم۔"

میں سلویٰ کی سرگوشی گونجی اور آنسوؤں میں ڈوب گئی۔ زعیم ساکت کھڑا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ دو دن سے مسلسل گھر میں منہ چھپائے بیٹھا تھا۔ اس کی جگہ عمر آن ڈیوٹی تھا۔ خرابی طبع کا بہانہ کرتا تو ہر کوئی خبر گیری کو آجاتا۔ سو اس نے ملتان جانے کا بہانہ بنا تین دن کی چھٹی لی تھی۔

سلویٰ ملک...

وہ ابھی تک متحیر اور بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ بھلا وہ کب کیسے...؟

اور اسعد... اسے کیا جواب دوں گا میں؟ وہ وحشت کا شکار تھا۔

جوں جوں سوچتا' یہ معاملہ مکڑی کے جالے کی طرح اسے جکڑے چلا جاتا تھا۔

اسعد سے تو وہ نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا واقعی ملتان واپس لوٹ جائے۔ یا خدا...! اس کا ذہن تھکنے لگا۔

"اور میں...؟" اس نے اتنے سارے عرصے میں پہلی بار اپنے دل کو ٹٹولا۔ میرے دل میں کیا ہے؟"

اس نے دل کا ہر خانہ دیکھ لیا مگر کہیں بھی کوئی شبیہہ نہیں دکھی تو قدرے مطمئن ہوا۔

تو سلویٰ ملک میں تمہیں اس راہ پہ لانے کا گناہ گار نہیں ہوا۔ کھٹکے کی آواز پہ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو اسعد کو پا کر ساکت رہ گیا۔

"اچھا تو یہ عیاشیاں ہو رہی ہیں۔ بہانے سے چھٹیاں؟" وہ ہنستا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"ڈاکٹر عمران نے بتایا کہ تمہارے کمرے میں دروازہ لاکڈ نہیں ہے میں نے سوچا چل کے فورا" دیکھنا چاہیے۔ آخر کار وہ تمہارے ساتھ والے روم میں رہتے ہیں نا تمہارا دروازہ کھلا دیکھا ہے انہوں نے۔"

"وہ... آج صبح ہی واپسی ہوئی ہے۔" وہ ہکلایا۔

اسعد اس کے بستر پہ گر گیا اور اسے گھورا۔

"کیا بات ہے بھولے۔"

"ہوں..." وہ چونکا۔ پھر کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس پہ چوٹ کی۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ میں تمہارے کمرے میں موجود ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اسے بھی اپنا ہی کمرہ سمجھو۔" وہ ہنسا تھا۔

زعیم نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا۔

درحقیقت اسے اسعد کی آمد بلکہ ناگہانی آمد نے پریشان کر دیا تھا۔ وہ خود کو اسے منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا۔

"خیریت رہی نا...؟"

زعیم نے محتاط انداز میں پوچھا تو وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"یار اماں بہت تنگ کر رہی ہیں۔ وہ میرے لیے اپنی بھانجی کو پسند کر چکی ہیں۔ وہ تو میری ضد تھی کہ سلویٰ مگر تو بہت لیٹ ہو گیا ہے۔"

"میں نے پوچھا تھا اس سے..." وہ بے ساختہ وہ بے اختیار ہی بول گیا۔

"کیا... کیا کہا اس نے؟" اسعد کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

زعیم کا جی چاہا اپنی زبان دانتوں تلے دبا دے۔ تاکہ اسے بے اختیاری کی کچھ تو سزا ملے۔

"وہ... ابھی نہیں اسعد۔" وہ نظر پر چرا گیا۔

"کون... میرا مطلب ہے کوئی اور تو نہیں ہے نا؟" وہ بے تابی سے پوچھنے لگا تو زعیم کی پیشانی عرق ندامت سے چمک اٹھی "وہ چند دنوں تک جواب دے گی۔ خود ہی تمہیں بتا دے شاید۔"

زعیم اٹھ گیا پھر ساتھ ہی پوچھا۔
"چائے پیو گے؟"
"چائے کو گولی مارو یار! یہ انتظار فرمایئے کی وجہ نہیں بتائی اس نے۔" وہ تلملا رہا تھا۔ زعیم پلٹا۔ گہری سانس کھینچی اور کرسی میں دوبارہ سے دھنس گیا۔
"صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے اسعد! اسے ٹائم دو۔ میں نے اسے تمہارے جذبات پہنچا دیے ہیں۔ امید ہے وہ اچھا فیصلہ ہی کرے گی۔"
زعیم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے۔ تین دن کی چھٹی اور گھر والوں سے ملاقات بھی موڈ کو فریش نہیں کر پائی؟"
عمر نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔ وہ بے وقت مسکرایا۔
"مل کے آیا ہوں تو جدائی زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔"
"سلویٰ تمہارا پوچھ رہی تھی۔" اسے خیال آیا تو وہ بتانے لگا۔ جبکہ زعیم کے اعصاب تن سے گئے۔
اسی پل سے وہ ڈر رہا تھا۔
وہ روم میں پہنچا تو وہاں ڈاکٹر سلویٰ ملک کو براجمان پایا۔ ایک جونیئر ڈاکٹر کو کسی کیس کے متعلق سمجھا کر وہ فوراً ہی اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
"کیا حال ہے؟"
"ہوں..... ٹھیک۔" وہ جونیئر ڈاکٹر کو کمرے سے نکلتا دیکھ کر سرسری انداز میں بولا۔
"اور گھر والے سب؟" وہ اچھے موڈ میں تھی۔
"وہ بھی....." زعیم کا انداز ہنوز وہی تھا۔ بے اعتنا اور بے نیازی سے بھرپور۔ چور نظروں سے رسٹ واچ دیکھی۔ ٹائم تو ہو گیا تھا۔ پھر وہ آ کیوں نہیں رہی؟
وہ بے چین ہونے لگا۔
"کیا بات ہے زعیم! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ متفکر ہونے لگی تو وہ ہلکے سے مسکرایا۔
"ابھی حال چال بتایا تو ہے تمہیں۔"
"لگ تو نہیں رہا ٹھیک۔" وہ متفکر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
شاید وہ کسی اعتراف کے انتظار میں تھی۔ زعیم نے جھنجلا کر پھر سے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"کیا بات ہے کس کا انتظار....."
وہ کہنے ہی لگی تھی کہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا۔ خوشبوؤں میں بسی وہ خوب صورت سی لڑکی اندر داخل ہوئی تو زعیم بے اختیار کھڑا ہو گیا۔
"فارغ ہو گئے یا ابھی بھی مریضوں سے مذاکرات جاری ہیں۔"
وہ کھلکھلا کر پوچھ رہی تھی۔
"رومیا.....!" سلویٰ اسے فوراً" پہچان گئی۔ وہ ایک ایکسیڈنٹ کیس کے سلسلے میں یہاں آ چکی تھی۔
"میں بالکل فارغ ہوں تمہارے انتظار میں۔"
وہ چہرے پہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔
"آپ نے کہا تھا پنک اور وائٹ کلر پہننے کو میں ابھی بوتیک سے شاپنگ کر کے پہن کے آ رہی ہوں۔"
وہ قدرے پرجوش سی تھی۔ اب کی بار سلویٰ نے اسے دھیان سے دیکھا۔ اور یہی دھیان زعیم چاہتا تھا۔
"سوسوری مجھے چاہیے تھا کہ میں خود تمہیں یہ سوٹ گفٹ کرتا..... او کے سلویٰ مجھے رومیا کو لنچ پہ لے کے جانا ہے۔ ورنہ یہ خفا ہو گی اور اسعد تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" وہ باتوں باتوں میں کہتا آخر میں ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا اور رومیا کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گیا۔
"تم اس کلر میں بہت پیاری لگ رہی ہو بالکل میری سوچ کی طرح....." اس کی آواز نکلتے نکلتے سلویٰ کے کانوں میں آئی تھی۔ جانے وہ کتنی دیر بت بنی کھڑی رہی۔
کسی جھٹکے پہ بے طرح چونکی۔ ہاتھ سے چھوا تو پلکیں نم اور رخسار گیلے۔
"ارے....." وہ خود پہ ہنسی۔ تو کئی آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کے رخساروں پہ آ گئے۔
"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی نئی نئی چوٹ ہے نا۔" اس نے جیسے دل پہ مرہم رکھنا چاہا۔
زعیم کا پیغام وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔
مگر ابھی تو اس دل کو سمجھانا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آج میں بہت خوش ہوں بہت۔" وہ دونوں بازو اطراف میں پھیلا کر لان میں گھوم سی گئی۔ زعیم سوچوں کے جال سے نکلتا اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"اچھا آج ایسی کون سی دولت تمہارے ہاتھ لگ گئی

ہے؟" وہ ہنسی۔
کھلکھلاتی ہوئی سی ہنسی جیسے پھول کھل اٹھے ہوں۔
سفید اور گلابی پھول۔
زعیم سنگ مرمر کے بینچ پہ ایستادہ تھا۔ وہ اس کے پاس آبیٹھی۔
"اس لیے کہ آج آپ میرے ساتھ ہیں۔"
اس کی بات سن کر زعیم مسکرادیا۔
"وہ تو میں پہلے بھی ہوتا ہوں۔" رویما نے نفی میں سر ہلایا۔
"آج آپ اس ڈاکٹر کو چھوڑ کے میرے ساتھ آئے ہیں۔" اس کے طمانیت سے کہنے پر زعیم چپ سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔
"کیا نام تھا اس کا؟"
"سلویٰ ملک!" زعیم نے مرے مرے لہجے میں کہا۔
"ہاں..... سلویٰ ملک۔" رویما نے اسی اطمینان سے دہرایا۔ پھر ذرا سا ہنس کے بولی۔
"اچھی تھی۔ مگر آپ کے ساتھ اچھی نہیں لگتی تھی مجھے۔" آخری لفظ اس نے قدرے توقف کے بعد ادا کیا۔
مگر زعیم کا ذہن اس وقت اس قدر پراگندہ سوچوں کی زد میں تھا کہ وہ اس کی خوشی اور طمانیت کی وجہ نہیں سمجھ پایا۔ محض سرہلا کے رہ گیا۔
"میرا ایک پرپوزل آیا ہے....."
چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد رویما نے اسے اطلاع دی تھی۔ وہ سوچوں کو بمشکل جھٹکتا اس کی طرف متوجہ ہوا اور مسکرا کر کہا۔
"ویری گڈ....."
رویما کی آنکھیں حیرانی سے پھیلیں۔
"کیا مطلب..... واٹ گڈ؟"
"مطلب یہ ہے کہ پرپوزل کا آنا اچھا شگون ہے۔" زعیم نے اسے سمجھایا۔
"مگر میرے لیے اس پرپوزل کا آنا اچھا شگون بالکل بھی نہیں۔"
وہ شیلے انداز میں بولی تو زعیم نے بے ساختہ پوچھا۔
"تو تمہارے لیے کس پرپوزل کا آنا بہترین ہو گا؟"
رویما نے جذبوں بھری ایک نگاہ اس پہ ڈالی۔
"کیا آپ سیریس ہیں؟"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ آپ کو نہیں پتا؟"
"کیا نہیں پتا؟"
"یہی کہ....." وہ کہتے کہتے تھمی۔ وہ پوری طرح اسی کی طرف متوجہ تھا۔
بھوری آنکھوں کی چمک، گلابی لبوں کی مسکراہٹ اور رخساروں کی تمتماہٹ۔
یہ ایک انوکھی داستان تھی۔
"وہ آپ ہیں۔" اس کی پلکیں رخساروں پہ جھک گئیں۔ خوب صورت کٹاؤ والے ہونٹوں کی مسکراہٹ میں ایک عجوب سی کیفیت آگئی تھی۔
"کیا.....؟" زعیم کو جیسے الیکٹرک شاک لگا۔ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔
"میں کیا ہوں..... کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کی سوچ کی رسائی رویما کے خیال تک کبھی نہیں ہو سکتی تھی سو اس کا تحیر اس کی بے یقینی حقیقت تھی۔
"آئی لو یو زعیم....." اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملیں تو ان کی چمک نے زعیم کو حیران کیا مگر اس کے الفاظ۔
"شٹ اپ رویما! ہمارا ایسا مذاق نہیں ہے آپس میں۔" نرمی سے اسے ڈانٹا۔
"یہ مذاق نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بول رہی ہوں۔"
وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ مگر لبوں پر ان چھوئی سی مسکان۔
زعیم ٹینس ہونے لگا۔
پہلے سلویٰ ملک..... اور اب رویما سہیل عباسی۔
"دماغ خراب ہے تمہارا رویما! اپنی اسٹڈیز پہ دھیان دو۔ یہ سب فارغ وقت کے مشغلے ہیں۔ مذاق ہی میں اچھے لگتے ہیں۔"
وہ سخت لب و لہجے میں بولا تو دفعتاً رویما اٹھ کے اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔
"کیوں زعیم..... اپنا آپ کیوں چھپا رہے ہیں۔ اب جبکہ میں خود پہل کر چکی ہوں تو آپ اپنے جذبوں کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟"
وہ بے حد جذباتیت سے بولی۔ زعیم ششدر سا اس کی شدتوں کو دیکھ رہا تھا۔
"میرے نہ کوئی ایسے جذبات ہیں اور نہ ہی میں کوئی چیپ اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ تم بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو

نہیں کی؟"

"یا خدا.....!" وہ شاکڈ سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"بہت ہو گیا رویما.....! اب بس کرو۔" وہ سختی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"وہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں کہ اب بس کریں۔ ورنہ مما میری شادی زبردستی فاروق کپاڈیا سے کرانے والی ہیں۔" وہ اس کے مقابل آ گئی۔

"شوق سے کرائیں۔ تم یہ غلط فہمی دور کر لو کہ میں تم میں انٹرسٹڈ ہوں۔" وہ رکھائی سے بولا تو رویما ٹھٹکی۔

اس کا بے لچک اور مضبوط لہجہ مذاق تو نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کا رنگ اڑنے لگا۔

"مذاق مت کریں زعیم.....!"

"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے رویما.....!"

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے تلخی سے بولا۔

"میں نے تمہیں وہ توجہ دی جو تمہیں گھر سے ملنا چاہیے تھی تاکہ تم ٹھیک ہو جاؤ۔ تمہارے ہاتھ تھامے تو محض اپنے شبے کی تصدیق کے لیے۔ کیونکہ تم اسموکنگ کرتی تھیں۔ تمہاری انگلیوں پہ سگریٹ پکڑنے کا نشان تھا رویما! اس میں میرے جذبات کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ تم میری مریضہ تھیں اور بس....."

وہ کچھ زیادہ ہی بے اعتنائی پہ اتر آیا تھا۔

رویما کی آنکھیں لبالب بھر گئیں۔

"اور بس.....؟"

"ہاں بس۔" اس کا چہرہ پھیکا پڑتا دیکھ کے زعیم کا دل پگھلنے لگا۔ وہ بہت خوب صورت تھی اور معصوم بھی۔

مگر یہ اسٹیٹس، یہ ماحول زعیم کو سوٹ نہیں کرتا تھا۔ وہ

"بے وقوفی مت کرو۔ کہاں میں اور کہاں تم۔ نہ تمہارا ماحول مجھے سوٹ کرتا ہے اور نہ میرے ماحول میں تم رہ سکتی ہو۔ کل کو پچھتانے سے بہتر ہے آج پچھتا لیا جائے۔"

"زعیم! پلیز اسٹیٹس کے فرق کو بھول کے بات کریں۔ میں آپ کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔"

وہ بے حد یقین سے بولی تو زعیم نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا۔

"تم بے وقوفی کر رہی رہو۔ میں اس میں حصے دار نہیں بننا چاہتا۔" وہ تلخی سے کہہ کے وہاں سے چلا آیا۔

"زعیم۔ رک جائیں پلیز میں آپ کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں سب کچھ۔"

وہ روتے ہوئے اونچی آواز میں چلائی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے سارا تماشا دیکھتی چچی جان تلملا رہی تھیں۔

"سب کچھ ہار سکتی ہوں' چھوڑ سکتی ہوں۔ سب کچھ ..... یہ زندگی بھی ہاں یہ زندگی بھی 'شاید' کہ آپ کو یقین آجائے۔" وہ خود فراموشی کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے تیزی سے آنسو پونچھتی اندر کی طرف بڑھی۔

چچی جان نے اسے کوریڈور ہی میں روک لیا۔

"تو یہ عالیشان وجہ تھی فاروق کے پروپوزل کو ریجکٹ کرنے کی۔ واہ ....." وہ تمسخر سے بولیں۔

"مجھ سے بات نہ کریں اس وقت۔"

وہ چلائی اور آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر چچی جان نے اس کا بازو سختی سے تھام کر اس کی کوشش ناکام بنا دی۔

"رکو اور میری بات غور سے سنو بے وقوف لڑکی ..... یہ غریب ٹٹ پونجیا ڈاکٹر تمہیں کیا دینے والا ہے۔ چار کمروں کا گھر اور مہینے کی لگی بندھی تنخواہ تمہارا ایک سوٹ بلکہ ایک جوتا بھی نہیں آسکتا اس کی تنخواہ سے کروڑوں چھوڑ رہی ہو۔ فاروق ابھی بھی میرے پیچھے لگا ہے۔"

زعیم کے لیے ان کے لہجے میں تحقیر تھی۔ وہ جو پہلے ہی اتنا دماغ لیے پھر رہی تھی بھڑک اٹھی۔

"لعنت بھیجتی ہوں میں فاروق کپاڈیا اور اس کی بلیک منی پر کیا میں نہیں جانتی اپنی بیویوں سے کیا کیا" دھندے" کراتا رہا ہے وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی بیٹی کو داؤ پہ لگا رہی ہیں۔ آئی ہیٹ یو ..... "

وہ نفرت سے پہ کہتے ہوئے انہیں گنگ حالت میں چھوڑ کے تیزی سے اپنے کمرے میں گھسی اور دھاڑ سے دروازہ بند کرلیا۔

اس کے ارادے خطرناک تھے۔

وہ کشمکش و پیچ میں گھری کھڑی تھیں کہ اس کے پیچھے جائیں یا نہ جائیں۔



اس کا ذہن صحیح معنوں میں جھنجھنا کے رہ گیا تھا۔ پہلے سلویٰ اور پھر رومیما۔

مگر جو دیوانگی وہ رومیما کے انداز میں دیکھ کے آیا تھا وہ سلویٰ ملک کی ہوش مندی میں نہیں تھی۔

"بے وقوف ..... پاگل ہے بالکل بھلا میرا اس کا کیا جوڑ۔" وہ سترھویں مرتبہ دہرا رہا تھا۔

ذہن میں اس کی آنسوؤں بھری آنکھیں جھلملاتیں تو وہ اپنے دل میں ہلکی سی بے چینی محسوس کرنے لگتا۔

اسے خود سے لڑتے پتہ نہیں کتنی دیر ہوگئی تھی مگر ذہن سے اس کی تصویر نہیں مٹی۔ زعیم نے بے اختیار دل کو ٹٹولا۔

وہاں ہلکا سا انجانا سا درد تھا اور وہ خود ..... وہ وہاں سے چلا تو آیا تھا مگر اس کا آدھا حصہ وہیں کہیں رومیما کے آس پاس ہی رہ گیا تھا۔

وہ دل کی اس بے ایمانی پہ پہلے تو ششدر رہ گیا پھر سختی سے خود کو "بہت کچھ" باور کراتا اپنے بستر پہ دراز ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔



جانے کیا وقت ہوا تھا۔

اس کا موبائل فون مسلسل بج رہا تھا۔ زعیم نے نیند کی آغوش سے نکلتے ہوئے موبائل اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔

دوسری طرف چچا جان تھے۔ انہوں نے جو خبر سنائی اس نے نا صرف اس کی آنکھوں کی نیند بلکہ تمام حواس بھی اڑن چھو کر دیے۔ موبائل آف کرتا وہ تیزی سے اٹھا اور جوتے پہن کر پھرتی سے موٹر سائیکل کی چابیاں لیے باہر نکل آیا۔

"یہ کیا کیا تم نے۔" اس کا دل پریشانیوں کی زد میں تھا۔



ایک مرتبہ پہلے بھی اسی اسپتال میں رومیما ایک الٹے سلسلے میں آئی تھی۔

اور آج دوسری مرتبہ' اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا

تھا۔ وہ بھاگم دوڑ میں اسپتال پہنچا۔ چچا جان اسے دیکھتے ہی اس کی جانب لپکے۔

"اس کی حالت بہت خراب ہے زعیم! اسے بچالو۔"

"اللہ بچانے والا ہے دعا کریں۔"

وہ عمر کی معیت میں تیزی سے آئی سی یو کی طرف بڑھا۔ چچی جان ساکت سی کوریڈور میں رکھے بینچ پہ بیٹھی تھیں۔ وہ بھی ان کے پاس تک گئے۔

"صبر کرو اور دعا کرو خدا سے کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔" وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولے۔

"خدا ہم سے ناراض ہے۔ روپیہ کمانے کی اس دھن میں..... خدا کو ہم بہت ناراض کر چکے ہیں۔ رات نو عمر لڑکوں کا ایک گینگ پکڑا گیا ہے۔ جو لوگوں سے موبائل فون اور رقم لوٹتا تھا۔ سب ہی لڑکوں کا تعلق اونچے گھرانوں سے ہے۔ محض تھرل کی خاطر..... ان میں دانش بھی ہے۔ اپنا دانش۔" انہوں نے جیسے بم بلاسٹ کر دیا تھا۔

چچی جان نے پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ تو پہلے ہی روہا کے غم میں ادھ موئی ہو رہی تھیں۔ اب یہ دانش کا قصہ۔

"تو آپ نے اسے چھڑایا کیوں نہیں؟" وہ تڑپ اٹھیں۔

"سارا اثر رسوخ استعمال کر کے چھڑایا ہے اسے..... دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر پھر خیال آتا ہے کہ اولاد ہے اپنی۔" وہ سسکتے لہجے میں بولے تو وہ رو دیں۔

"پتہ نہیں کیا گناہ ہو گیا ہے ہم سے۔"

"تمہیں ابھی بھی پتہ نہیں چلا.....؟" چچا جان نے انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"پیسہ کمانے کی دھن حد سے زیادہ آزادی، حرام و حلال سے نا آشنائی، مذہب سے دوری، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی پاسداری نہ کرنا یہ سب تمہارا قصور بھی تو ہے۔ گھر کا ماحول تو عورت ہی بناتی ہے۔ سب کچھ بے کار ہے۔ روپیہ پیسہ، تعلقات یہ سوسائٹی کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ خدائے بزرگ و برتر اس کی جان نہ بخش دے۔"

چچی جان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

وہ رات روہا کی طرف سے کھٹک رہی تھیں۔ اسی لیے صبح جب وہ دیر تک نہ اٹھی تو انہوں نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ لاک تھا۔ کافی دیر کھٹکھٹانے اور آوازیں دینے کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو کچھ سوچنے کے بعد وہ تیزی سے اپنے کمرے میں آئیں اور چابیوں کا گچھا لے کر پھر اس کے کمرے کے باہر پہنچ گئیں۔ اندر وہ انہیں بے ہوش ملی نبض کی رفتار بہت دھیمی تھی، انہوں نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا تو ڈاکٹر نے انہیں اسپتال لے جانے کو کہا۔

اور اب وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

"یا خدا....." انہوں نے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ آج بہت عرصے کے بعد انہیں خدا یاد آیا تھا۔



بروقت اسپتال پہنچ جانے کی وجہ سے اس کی جان بچ گئی تھی۔

ہوش میں آتے ہی وہ بے یقینی سے سب کو دیکھنے لگی اور پھر نقاہت کے باوجود اس نے وہ شور مچایا۔ روئی، چیخی کہ حد نہیں۔

"کیا ہو گیا ہے روہی جان! میں ہوں نا تمہارے پاس کہو کیا بات ہے۔ کیا چاہیے تمہیں....."

سمت گئی۔

"زعیم...! ڈیڈی مجھے زعیم چاہیے..... اور وہ مجھے..... مجھے ایک نظر بھی نہیں دیکھتا....."

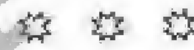
وہ ساری کہانی سمجھ گئے تھے۔

سلویٰ ملک گہری سانس بھرتی کمرے سے نکل گئی۔



"ہر لڑکی سلویٰ ملک نہیں ہوتی زعیم! دیکھو تمہاری چاہ میں وہ زندگی کی چاہت چھوڑ بیٹھی ہے۔ میں نے تو دل کو سمجھا لیا تھا۔ لیکن وہ بہت امیچور ہے۔ دل کو بہلانے کے گر سے ناواقف اس کی زندگی کا پہلا خواب مت توڑو اس کے ہاتھوں میں گلاب دو اور آنکھوں کو خوب صورت سپنے۔"

سلویٰ ملک نے بے حد سنجیدگی سے کہا تھا اور وہ ساکت کھڑا سنتا رہا۔



وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے تھی۔ آہٹ کی آواز پہ چونک کے دیکھا۔

زعیم کو سامنے پا کر اس کی نگاہ دھندلا سی گئی۔

"بس ہو گئی تسلی اللہ کو تمہاری ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے دوبارہ اس زمین پہ بھیج دی گئی ہو۔"

زعیم نے چارٹ چیک کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو اس کی نگاہوں میں خفگی اتر آئی۔

"میری کسی کو بھی ضرورت نہیں میں جانتی ہوں۔"

"نہیں..... کوئی ایک سرپھرا ہے جسے تمہاری ضرورت ہے۔" وہ اطمینان سے کرسی گھسیٹتے ہوئے اس کے پاس بیٹھا۔

"چچی جان کے پاس ایک پروپوزل ہے تمہارے لیے اور ان کو یقین ہے کہ تم اس شخص کے ساتھ خوش رہو گی۔"

"میں خودکشی کر لوں گی....." وہ دانت پیس کے بولی۔

"لو جی۔ خودکشی نہ ہوئی شادی ہو گئی کسی فلم اسٹار کی جب جی چاہا کر لی۔" زعیم ہنستا ہوا اسے زہر لگا۔

اس شخص کی بے اعتنائی نے ہی تو اسے زندگی سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"اب کی بار تم بھی مجھے بچا نہیں پاؤ گے۔ میں اس

وہ غصے میں کچھ الٹا ہی بول گئی تو وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"بچانے والی تو خدا کی ذات ہے۔ ہم تو چھوٹے موٹے وسیلے ہیں۔"

"مجھے چھٹی چاہیے یہاں سے۔" وہ تلخ ہونے لگی۔

"خودکشی کے لیے یا شادی کے لیے؟" زعیم نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

"میری مرضی میں جو جی چاہے کروں۔" اسے رونا آنے لگا۔

"اور وہ کیا کرے جس کی قسمت میں تم جیسی سرپھری لڑکی آئی ہے؟" زعیم نے دفعتاً گمبھیر لہجے میں پوچھا تو وہ چلا اٹھی۔

"اس کا میں سر پھاڑ دوں گی۔"

"اوہو..... مارا گیا نا وہ غریب۔ اس کے کون سا کزن کا اسپتال ہے جہاں جب جی چاہے فری ایڈمٹ ہو جائے گا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تو رومیلا کا بس نہ چلا کیا کر ڈالے۔ غصے میں آ کر وہ بستر سے نیچے اترنے لگی۔

"آں....." زعیم نے تیزی سے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما۔

مجھے منزلوں سے عزیز ہیں تیری راہ گزر کی مسافتیں

کہ لکھی ہیں میرے نصیب میں ابھی عمر بھر کی مسافتیں

اسی ایک پل کی تلاش میں جسے لوگ کہتے ہیں زندگی

تیری رہگزر میں بکھر گئیں میری عمر بھر کی مسافتیں

وہ دھیمے مگر جذب سے بھرپور لہجے میں کہتا اس کی دھڑکنیں بڑھا گیا۔

"اس مرتبہ تمہاری ماما کے پاس میرا پروپوزل ہے....."

"زعیم...!" اس کے لب بے آواز کھلے آنکھوں میں نمی چمکی۔

"میں نے سوچا کہاں ملے گی مجھے ایسی جان قربان کرنے والی لڑکی..... جان وارنے والی لڑکی....." وہ شرارت سے بولا۔

"خبردار....." جھینپ کر اس نے مکا مارنے کو ہاتھ اٹھایا تو وہ اس کے ہاتھ تھام کر ہنستا چلا گیا اب راستے روشن اور منزل صاف اور آسان تھی۔